ابتدائیہ

اعوان بر صغیر کے ان قبائل میں سے ایک ہیں جو قدیم زمانے سے بر صغیر پاک و ہند میں آباد ہیں، بنیادی طور پر پاکستان کی ریاست پنجاب میں کوہستان نمک اور کچھ لوگ ہندوستان کی ریاست پنجاب کے شہر لدھیانہ میں رہے ہیں۔

بعض اعوان ادعا کرتے ہیں کہ وہ عرب نسل ہیں اور نسب کے لحاظ سے ان کا سلسلہ نسب امیر المومنین علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔اس مناسبت سے وہ علوی سادات ہیں۔ لہٰذا ان میں سے بعض اپنے نام کے آخر میں علوی کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ سیادت کے دعویداران دو حصوں میں تقسیم ہوتے ہیں اور ان کے درمیان شدید اختلاف پایا جاتا ہے یہاں تک کہ دونوں طائفے گاہے بگاہے ایک دوسرے کے خلاف تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے ہیں۔

ایک طائفہ مدعی ہے کہ وہ نسب کے لحاظ سے حضرت علی علیہ السلام کے فرزند حضرت عباس علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور دوسرا طائفہ مدعی ہے کہ وہ نسب کے لحاظ سے حضرت علی علیہ السلام کے فرزند حضرت محمد بن حنفیہؒ کی نسل سے ہیں۔ (حسین اعوان، تاریخ علوی ص ۱۰؛ وزیر علوی، کیا علوی سادات ہیں، ص ۳۶)۔

دونوں گروہ اپنا اپنا دعویٰ ثابت کرنے کیلئے دلائل و مستندات ذکر کرتے ہیں۔اس مقام پر نہایت دلچسپ اور تعجب آور بات یہ ہے کہ وہ دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ انکے اجداد میں سے ہندوستان میں آنے والا پہلا شخص قطب شاہ تھا اور دونوں کا ماننا ہے کہ قطب شاہ ان کے نسب میں ہے اور وہ اسی کی نسل سے ہیں۔ لہٰذا اس اتفاق کے پیش نظر ہر طائفہ دوسرے کے ادعا کو اپنے اپنے دلائل سے رد کرنے کی کوشش میں رہتا ہے ۔ یہاں خصوصی طور پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ دونوں گروہ جو دستاویزات اور تاریخی شواہد فراہم کرتے ہیں وہ تاریخی ذرائع کے لحاظ سے قدیمی اصیل مصادر سے نہیں ہیں۔اسی وجہ سے ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ تاریخ، رجال، سفر نامے اور نسب کے معتبر قدیمی و اصیل مصادر سے مطابقت اور تحقیق کی جائے تاکہ دیکھا جاسکے کہ انکے دلائل و دستاویزات کس حد تک علمی میزان پر پورے اترتے ہیں۔

علویوں کے سادات ہونے میں کوئی دو رائے نہیں ہیں نیز اس میں بھی کوئی شبہ کی گنجائش نہیں کہ حضرت امیر المؤمنین کی تمام اولاد کو حضرت حسنین علیہما السلام کی اولاد کے علاوہ علوی سادات کہا جاتا ہے۔لیکن گفتگو اس میں ہے کہ علمی ذرائع کس حد تک ان کی تائید و تصدیق کرتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا کہ دونوں طائفوں نے اپنے اپنے ادعا کے اثبات کیلئے تصنیف و تالیف کا سہارا لے کر اپنے ادعا کو علمی لحاظ سے ثابت کرنے کی مختلف زمانوں میں کوششیں کیں۔ابتدائی طور پر اس سلسلے کی پہلی کوشش مولوی حیدر علی کی تاریخ علوی سے شروع ہوتا ہے پھر نہایت مختصر وقفے سے مولوی نور الدین نے زاد الاعوان نامی کتاب لکھ کر اعوان قوم کو دوراہے پر لا

کھڑا کیا کیونکہ موصوف نے اس تالیف میں حیدر علی کی تالیف کے برعکس اعوان قوم کے متفق علیہ جد قطب شاہ کو حضرت عباس علیہ السلام کی نسل سے قرار دیا اور اس کے بعد فریقین میں تالیفات کا ایک سلسلے کا آغاز ہو گیا۔ زیر نظر سطور میں مولوی نور الدین کی اس موضوع سے متعلق اولین تصنیف زاد الاعوان کے نسب سے متعلق مندرجات کو تاریخ، رجال، نسب وغیرہ کی اصیلی اور قدیمی مصادر سے تطابق کی کوشش کی گئی ہے۔

زاد الاعوان میں مذکور نسب کا تحقیقی جائزہ

مولوی حیدر علی لدھیانوی نے اپنے خاندانی آباؤاجداد کی شناخت و پہچان سے دلچسپی اور حکیم غلام نبی صاحب کی تاکید کی بنا پر ایک کتاب بنام تاریخ علوی[1] لکھی۔ اس کتاب میں ادعا کیا کہ پاک و ہند میں بسنے والی اعوان قوم حضرت علی کے بیٹے محمد بن حنفیہّ کی اولاد میں سے ہے۔ اس ادعا کے اثبات کیلئے اس نے جس دلیل کا سہارا لیا وہ اس علاقے میں پڑھے جانے والے اعوانوں کے وہ شجرے ہیں جو ان کے بقول وہاں شادی بیاہ کے موقع پر مراسی حضرات گذشتہ نسلوں سے مسلسل پڑھتے چلے آرہے تھے۔

اس کتاب کی تالیف کے بعد حکیم غلام نبی صاحب کی فرمائش اور تاکیدوں (بقول نور الدین) پر نور الدین نے زاد الاعوان نامی کتاب تالیف کی۔ مولوی حیدر علی نے پھر زاد الاعوان کے بعد ایک اور کتاب تاریخ حیدری تالیف کی۔ اس کتاب میں بھی اس نے اسی مدعا کے اثبات کی کوشش کی۔ یہ کتاب زاد الاعوان کے بعد اعوانوں کے محمد بن حنفیہّ کی اولاد سے ہونے کی تاکید اور اس تالیف کے ذریعے زاد الاعوان کو گویا ایک جواب دیا گیا ہے۔

البتہ یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ حکیم غلام نبی اور اس کا قبیلہ امرتسر شہر (انڈیا) سے اٹھارہ میل کے فاصلے پر اعوان نامی گاؤں میں سکونت پذیر تھا اور یہی جگہ حکیم غلام نبی صاحب کی جائے پیدائش ہے[2]۔ اگرچہ بعد میں حکیم غلام نبی نے لاہور میں شفاخانہ کھولا[3]۔ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ تاریخ علوی کی تالیف کے وقت حکیم صاحب لاہور میں تھے۔

مولوی حیدر علی لدھیانہ (انڈیا) کے رہنے والے تھے۔ امرتسر اور لدھیانہ کے درمیان ۱۵۰ کلومیٹر سے زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ مولوی حیدر علی کی تاریخ علوی کے چھپنے اور مولوی نور الدین کی زاد الاعوان کی تالیف تک حکیم غلام نبی صاحب کی

---

[1] ہمارے پاس اس کتاب کا عکس موجود ہے جس کے ابتدائی صفحات نہیں ہیں۔ جس میں نہ تو اس کتاب کی تاریخ تالیف درج ہے اور نہ ہی اس کتاب کی تاریخ طباعت موجود ہے۔ لیکن مولوی نور الدین نے زاد الاعوان میں اس کتاب کو اپنی کتاب کے مآخذوں میں شمار کیا اور اسکے مندرجات کو شدیت کے ساتھ رد کرتے ہوئے تاریخ علوی کے برعکس ایک نیا نظریہ دیا مورد تنقید قرار دیا ہے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تاریخ علوی ۱۳۱۵ق سے پہلے تالیف ہو کر چھپ چکی تھی۔

البتہ تاریخ علوی کو نور الدین نے مطبوعہ زبدۃ المطالعہ لاہور لکھا ہے۔ (زاد الاعوان ص۵۹)

[2] مولوی حیدر علی، تاریخ علوی ص ۲۷

[3] مولوی حیدر علی، تاریخ علوی، ص ۱

جانب سے کسی قسم کے عکس العمل کا ذکر نہیں ملتا ہے۔ جو اس بات کا بیانگر ہے کہ حکیم غلام نبی صاحب نے اور ان کے قبیلے نے مولوی حیدر علی کے تاریخ علوی میں پیش کئے گئے نسب نامے کو مورد تائید قرار دیا۔

تاریخ علوی کی تالیف کے بعد حکیم غلام نبی صاحب مولوی نور الدین سلیمانی کو بہت تاکید کرتا ہے کہ وہ اعوانوں کے متعلق ایک کتاب لکھے جس میں قدیمی کتابوں کی مدد سے اعوانوں ے اہل عرب ہونے کا بیان ہو تا کہ اس کے ذریعے انگریزوں کی جانب سے اعوانوں کی قوم پر کئے گئے اعتراضات[۴] کا مدلل جواب ہو سکے۔

پس غلام نبی کی تاکید مکررات کی بناپر نور الدین نے یکے بعد دیگرے دو کتابیں بنام زاد الاعوان اور باب الاعوان لکھیں۔ ان کتابوں کی تالیف کا اساسی محور اعوانوں کا حضرت عباس بن علی کی نسل سے ہونا ہے جو بغداد سے ہندوستان آکر آباد ہوئے ۔نور الدین کے بقول مولوی حیدر علی نے محمد بن حنفیہّ کے ایران میں مقبرے کے ہونے،اعوانوں کے محمد بن حنفیہّ کی نسل سے ہونے کے بارے میں جو کچھ تاریخ علوی میں لکھا یا اعوانوں کا محمد حنفیہّ سے اپنا نسب ملانا یہ سب غلط ہے۔[۵] پس اس بناپر مولوی حیدر علی نے جو قطب شاہ سے لے کر محمد بن حنفیہّ تک کا شجرۂ نسب تاریخ علوی میں لکھا ہے وہ قطب شاہ کے علاوہ اول سے لے کر آخر تک ۱۸۰ درجے اس شجرے کے مخالف ہے جو نور الدین نے زاد الاعوان میں لکھا ہے۔ بہر حال حکیم غلام نبی صاحب زاد الاعوان اس کتاب کی طباعت و تالیف سے متعلق تمام اخراجات خود برداشت کرتے ہیں ۔یہ کتاب چھپ کر لوگوں میں مفت تقسیم کی جاتی ہے صرف یہی نہیں بلکہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ زاد الاعوان نور الدین کی دوسری کتاب باب الاعوان کی مانند چند ایک مرتبہ سے زیادہ چاپ ہوئی جیسا کہ باب الاعوان کے آخر میں موجود تتمے کے ص ۲۱۰ پر حکیم غلام نبی صاحب کے بیٹے حکیم مظفر حسین اعوان لکھتے ہیں: ہم نے زاد الاعوان کے ہر ایڈیشن میں یہ درخواست کی تھی ۔...۔غلام نبی کی تاکید مکرر پر نور الدین ایک اور کتاب ۱۳۱۹ ہجری قمری میں بنام باب الاعوان تالیف کرتا ہے ۔اس کتاب کی تالیف و چھپوائی کے تمام اخراجات زاد الاعوان کی مانند حکیم غلام نبی صاحب برداشت کرتا ہے اور یہ کتاب بھی طباعت کے بعد لوگوں میں مفت تقسیم کی جاتی ہے ۔اسی پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ حکیم صاحب کا بیٹا باب الاعوان نامی کتاب کو دو مرتبہ چھپواتا ہے۔ دلچسپ اور قابل غور یہ نکتہ ہے کہ مولوی حیدر علی کی تالیف تاریخ علوی میں اعوانوں کے حضرت عباس بن علی کی نسل سے ہونے کا سرے سے ذکر ہی موجود نہیں ہے۔

ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدا میں حکیم غلام نبی صاحب کو لدھیانہ و امرتسر و اطراف میں رائج ان صدری شجروں پر کسی حد تک اطمینان تھا جو محمد بن حنفیہّ پر منتہی ہوتے تھے۔ لیکن مولوی حیدر علی کی تالیف سے وہ مکمل طور پر مطمئن نہیں ہوئے اور اس

---

[۴] ان اعتراضات کو تاریخ علوی کے پہلے ضمیمے ص ۲۹ اور دوسرے ضمیمے ص ۴۰ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

[۵] نور الدین، زاد الاعوان فصل نہم ذکر محمد بن حنفیہّ ص ٦۵۔

تالیف کو اعوانوں کے متعلق کیئے گئے اعتراضات کا کافی و وافی جواب نہیں سمجھتے تھے ۔ اسی لئے انہوں نے نور الدین سے اس موضوع پر دیگر تالیف کا تقاضا کیا۔ زاد الاعوان کی تالیف کے بعد وہ اپنے تئیں معتقد ہو گئے کہ اعوان عرب نسل سے ہیں اور علاقے میں رائج شجرے قطب شاہ کے بعد محمد بن حنفیہؒ کی بجائے حضرت عباس بن علی پر منتہی ہوتے ہیں۔ انکی جانب سے زاد الاعوان وغیرہ کی طباعت مکرر اور لوگوں میں ان کتابوں کی مفت تقسیم اس کا بہترین شاہد اور دلیل ہے۔ اسکی صرف تائید ہی نہیں ہوتی بلکہ مختلف طریقوں سے ان شجروں کی طباعت و ترویج کے اقدامات کو لائق تحسین قرار دینے سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عباس بن علی پر منتہی ہونے والے نسب ناموں کو زیادہ رواج دینا چاہتے تھے۔ جیسا کہ مولوی نور الدین زاد الاعوان میں اپنی کتاب کے مآخذوں کے تعارف میں شمارہ ۸۱ کے ذیل میں ایک قلمی شجرے کا ذکر کرتا ہے اور لکھتا ہے یہ علوی اعوانی شجرہ نامہ بغداد کے علما نے مرتب کیا ہے اور اس کے آخر میں اس وقت کے بنی عباس کے حاکم معتصم باللہ کی مہر ثبت ہے۔ جو اسے حاصل کرنا چاہتا ہے وہ ساٹھ (۶۰) روپیہ دے کر اسے حاصل کر سکتا ہے۔ اسی طرح باب الاعوان کی چاپ سوم کے تتمے میں حکیم مظفر حسین مولوی حسام الدین کے رسالے نسب الاعوان کے حوالے سے ذکر کرتا ہے: مولوی حسام الدین کے بیان کردہ نسب نامے کو ۴آنے کے عوض خود مؤلف سے یا کتب خانہ سلسلہ لطف زندگانی موچیدروازہ سے حاصل کیا جا سکتا ہے[6] یا باب الاعوان کے آخر میں چھپنے والا یہ عمومی اعلان نوٹ کے عنوان سے دیا گیا کہ جو کوئی بھی اپنا نسب نامہ چھپوانا چاہتا ہے وہ اپنا نسب نامہ ایک (۱) روپے کے ہمراہ ہمیں ارسال کرے۔[7]

- تحریری طور اعوان قوم کی تاریخ اور نسب ناموں کے متعلق مندرجہ بالا گزارشات کے پیش نظر کسی حد تک اطمینان سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ پاک و ہند میں آباد اعوان قوم کے عون بن یعلی کی نسل سے ہونے کا نظریہ تاریخ علوی کے بعد علمی طور پر پہلی مرتبہ نور الدین نے چند کتابوں کی بنیاد پر پیش کیا اور اسے لوگوں میں رائج کرنے کیلئے حکیم غلام نبی صاحب اعوان کا سرمایہ خرچ ہوا۔
- نور الدین کے توسط سے مولوی حیدر علی کے نظریے کا رد ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ اس زمانے میں رائج مشہور نسب نامے قطب شاہ سے محمد بن حنفیہؒ تک سرے سے غلط تھے۔
- اس سے پہلے نکتے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اعوان قوم کے پاس یا اس زمانے میں علاقے میں موجود عربی کے معتبر علمی مصادر و مآخذوں میں اعوان قوم کے محمد بن حنفیہؒ یا عباس بن علی کی نسل سے ہونے کیلئے قطعی یا کم سے کم اطمینان آور دلائل موجود نہیں تھے۔ کیونکہ اسی وجہ سے نور الدین اپنے تئیں اعوان قوم کی نسل کے عون بن یعلی کی نسل سے ہونے کیلئے چند مجہول کتابوں کا سہارا لیتا ہے اور اس نے اس کے ذریعے اعوان قوم کو ایک طرح کا اطمینان دلانے کی سعی کی کہ وہ حضرت عباس بن علی کی نسل سے ہیں۔[8] نور الدین کے اس نظریے کا بیان معاشرے میں رائج نسب ناموں پر ایک طرح کا عدم اطمینان کا اظہار ہے۔

---

[6] نور الدین، باب الاعوان، ۲۱۶

[7] نور الدین، باب الاعوان، ۲۱۷

[8] ملاحظہ کریں: زاد الاعوان ۵۸ تا ۶۸۔

- ابھی تک اعوان قوم سے متعلق مختلف لکھی جانے والی علمی کاوشوں سے یہی ظاہر ہوتا ہے پاک و ہند میں حضرت عباس کی نسل کی موجودگی کے متعلق پہلی مرتبہ ۱۴ویں صدی ہجری قمری (۱۹ویں صدی میلادی) کے آخر میں زاد الاعوان میں لب کشائی کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ اس تالیف کے بعد اعوان قوم دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک حصہ محمد بن حنفیہّ کی نسل اور ایک حصہ زاد الاعوان کی پیروی میں عباس بن علی کی نسل سے ہونے کے مدعی ہوئی۔
- جالب نکتہ یہ ہے کہ نور الدین نے زاد الاعوان میں کوئی اس قسم کی بات نقل نہیں کی جس سے یہ ظاہر ہو کہ اعوان قوم اپنی شادی بیاہ کے پروگراموں میں ایسے شجرے پڑھتے تھے جو حضرت عباس بن علی تک منتہی ہوتے ہوں جبکہ اعوانوں کی شای بیاہ کی رسموں کی رائج رسم نسب خوانی تھی کہ جس کے متعلق مولوی حیدر علی تاریخ علوی میں تصریح کی ہے کہ ہماری شادیوں میں میراثی نسب پڑھتے ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس نور الدین لکھتا ہے: اعوان قوم کا یہ ادعا کس طرح درست ہو سکتا ہے کہ قطب شاہ سلطان محمود (یعنی محمود شاہ غزنوی) آیا ہو اور سلطان کی مدد کی وجہ سے انہیں اعوان کا لقب دیا گیا۔ یہ ادعا مکمل طور پر غلط ہے اور آئندہ صفحات میں تحقیق کے ذریعے ثابت کریں گے کہ قطب شاہ عباس بن علی کی اولاد میں سے تھا۔ پس اعوانوں کے جد قطب شاہ کا محمد بن حنفیہّ کی نسل سے ہونا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔[9] جبکہ ہم مولوی حیدر علی سے نقل کر چکے ہیں کہ اعوانوں کی شادی بیاہوں میں خاندانی شجرے پڑھنے کا رواج تھا اور وہ شجرے قطب شاہ کے ذریعے محمد بن حنفیہّ تک منتہی ہوتے تھے۔

مذکورہ عرائض کے پیش نظر بہت بعید نظر آتا ہے کہ ایک قوم میں محمد بن حنفیہّ تک منتی ہونے والے خاندانی شجرے پڑھنے کی رواج کی خبر مذکور ہی نہیں بلکہ اسی کی بنیاد پر محمد بن حنفیہّ تک شجرہ مرتب کیا جائے (جسکی تائید اس نظریے کا مخالف فریق بھی کرے یعنی نور الدین) اور اسکے بالمقابل نور الدین اسی قوم کی تاریخ مرتب کرتے ہوئے اسکے رسوم و عادات وغیرہ کو تو مکمل طور پر زیر بحث لائے لیکن عباس بن علی تک منتہی ہونے والے شجرے شادیوں میں پڑھنے کا اگر رواج ہو تو اس کا ذکر تک نہ کرے جبکہ معاملہ ایک ہی قوم سے مربوط ہو (جبکہ دونوں نظریوں کے پیش کرنے کے زمانے میں کوئی زیادہ زمانی فاصلہ بھی نہ پایا جاتا ہو) اور عام طور پر ایک قوم کی رسومات و عادات ایک جیسی ہوتی ہیں خاص طور پر جب کہ ایک قوم کی بہت بڑی آبادی ایک وسیع و عریض علاقے پر پھیلی ہوئی ہو۔ پس نور الدین کی جانب سے اعوانوں کے عباس بن علی کی نسل سے ہونے کیلئے کسی قسم کی کوئی علاقائی روایت کا ذکر نہ ہونا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس زمانے کے اعوانوں کو عباس بن علی سے ہونے کا علم نہیں تھا یا کم سے کم نور الدین اس سے آگاہ نہیں تھا۔ اسی لئے وہ پوری اعوان قوم کو نسب کے معاملے میں خطا کا مرتکب قرار دیتا ہے اور مجہول قسم کی چند کتابوں کے ذریعے اعوان قوم کو یہ باور کروانے کی کوشش کی کہ وہ محمد بن حنفیہّ کی بجائے حضرت عباس بن علی کی نسل سے ہیں۔

زاد الاعوان کی فہرست ابواب

زاد الاعوان درج ذیل فہرست کے مطابق لکھی گئی ہے:

باب اول: نور الدین کے بقول اس باب میں اصول تاریخ سے مربوط چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ یہ باب ۱۲ فصول از ص ۳ تا ص ۲۶ پر مشتمل ہے۔

باب دوم: یہ باب بنی ہاشم سے متعلق ہے جس میں دس فصلیں ہیں اور از ص ۲۷ تا ۴۷۔

باب سوم: یہ باب نسب حضرت عباس سے متعلق نو فصلوں ص ۴۷ تا ۱۰۳ پر مشتمل ہے۔

---

[9] نور الدین، زاد الاعوان ص ۶۵۔

باب چہارم : اعوان قطب شاہی سے متعلق ہے اس باب میں تیرہ فصلوں ص ۱۰۳ تا ۱۵۱ کے اندر اولاد عون کا ذکر ہے۔ کتاب کا ایک خاتمہ ہے لیکن وہ ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔ یہ کتاب ۱۵۶ صفحات رکھتی ہے۔

پس یہ کتاب ۴ ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

مصادرِ زاد الاعوان

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ غلام نبی کا نور الدین سے یہ تقاضا تھا انگریزوں کے اعوان قوم پر کئے گئے اعتراضات کا جواب قدیمی کتب سے ہونا چاہئے۔ پس اسکے پیش نظر نور الدین زاد الاعوان میں اپنی کتاب کے مآخذوں کا ذکر کرنا چاہتا ہے تو فخریہ انداز سے کہتا ہے : مناسب ہے کہ میں ان کتابوں کے نام ذکر کروں کو اس کتاب کی تالیف کے موقع پر میرے پاس موجود تھیں تا ناظرین مجھے داد تحسین دیں۔"[10]

اس فہرست میں نور الدین ان کتابوں کی تعداد سو (۱۰۰) تک ذکر کی ہے۔ اصولی طور پر اور حکیم کی درخواست کے مطابق چاہئے تو یہ تھا کہ ان کتابوں میں تاریخ و انساب کی تعداد دوسرے موضوعات کی کتابوں کی نسبت تعداد زیادہ ہونا چاہئے تھی لیکن جب فہرست کو دیکھتے ہیں تو ہم زبایت آسانی سے کہہ سکتے ہیں نور الدین اپنے مدعا کے اثبات کیلئے یعنی پاک و ہند میں حضرت عباس بن علی کی نسل سے ہونے کیلئے معتبر اور اصیل کتابیں پیش نہیں کر سکا ہے۔ چونکہ

۱. عربی زبان کی مآخذ اور اصیل چند ایک حدیثی کتابوں کے علاوہ بقیہ تمام کتابیں فارسی یا اردو سے متعلق ہیں نیز ان میں سے اکثر مؤلفین آٹھویں صدی ہجری کے بعد کے ہیں۔

۲. منابع کی تعداد اگرچہ سو تک پہنچتی ہے لیکن تاریخی مطالب کے اثبات کیلئے اصیل اور منبعی کتب سے استفادہ نہیں گیا بلکہ اکثر کتب آٹھویں صدی ہجری کے بعد کی ہیں۔

۳. اعوان قوم کی نسل، نسب اور تاریخ سے کسی بھی لحاظ سے مربوط ہو سکنے والی کتابوں کے نام درج یل ہیں :

- میزان القطبی، قطب الدین شامی مطبوعہ بیروت؛
- میزان ہاشمی، مولانا ھاشم شاہ بغدادی مطبوعہ مصر؛
- خلاصہ الانساب، مؤلف کے نام کے بغیر، مطبوعہ مصر؛
- تاریخ الخلفاء، جلال الدین سیوطی مطبوعہ محمدی لاہور؛
- عروہ الوثقی، جعفر بن حمزہ علوی بغدادی قلمی؛
- مفتاح کنز السعادت، علی بن جعفر علوی مطبوعہ ایران؛
- تقریب التنذیب، ابن حجر عسقلانی، مطبوعہ دہلی؛
- ایضاح العباد فی تاریخ مشائخ بغداد، میر خلیل بن عبد المہیمن ہمدانی مطبوعہ اسلام بول؛
- انساب الاقوام، مولف مجہول مطبوعہ ایران؛
- تاریخ کوہستانی، عربی مصنفہ محمد ذکریا بن ابراہیم دامغانی قلمی؛
- معارف فی الانساب، ابن قتیبہ؛
- نسب نامہ علوی اعوانی عربی قلمی مرتبہ علمای بغداد۔

---

[10] زاد الاعوان ص ۵۔

عون بن یعلی (قطب شاہ) کی تاریخ ونسب کی اصل مستند کتابیں

زاد الاعوان کے اہم مندرجات سے ہم اس بات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ مؤلف نے حضرت عباس بن علی اور عون بن یعلی کے متعلق نسب سے یا تاریخ سے متعلق جو کچھ ذکر کیا ہے وہ صرف اور صرف ان تین ۱ :- میزان القطبی تالیف قطب الدین شامی۔ ۲ :- میزان ہاشمی ہاشم شاہ بغدادی ۳: خلاصۃالانساب سے استناد کیا ہے۔ دو نکات کتاب کے قاری کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں :

کتاب کی ابتدا سے لے انتہا تک شاید ہی ایسے چند مقامات ہوں جہاں ان تین کتابوں کے نام اکٹھے نہ آئے ہوں۔

حضرت عباس بن علی کے بیٹے عبید اللہ سے لے کر عون بن یعلی تک قاری کوئی ایسا مقام پیدا نہیں کر سکتا کہ مؤلف نے ان کتابوں کے علاوہ کسی چوتھی کتاب سے کچھ نقل کیا ہو۔

پس ان دو نکات کی بنا پر آسانی سے یہ نتیجہ حاصل کیا جا سکتا ہے کہ نور الدین نے عبید اللہ بن عباس سے لے کر عون بن یعلی اور اسکے بیٹوں تک مذکورہ تین کتابوں کے علاوہ کسی اور کتاب سے کچھ نقل نہیں کیا۔ لہٰذا اسلئے ضروری ہے کہ ان تین کتابوں کے بارے میں چند سطریں لکھی جائیں۔ چند قرائن کی موجودگی سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ ان تین کتابوں کا حقیقت سے کوئی کوئی واسطہ نہیں بلکہ یہ خیالی پیش کی گئیں :

۱. جب کوئی شخص ان تین کتابوں کی موجودگی سے آگاہی حال کرنا چاہے تو وہ دیکھتا ہے کہ ان کتابوں کے نام فہرست نویسی کی کتابوں میں نہیں پایا جاتا ہے چاہے وہ چاپی کتابوں کی فہرست نویسی سے متعلق کتابیں ہوں یا خطی اور قلمی کتابوں کی فہرستوں سے متعلق کتابیں ہوں، یا اہل سنت کی تراجم کی کتب ہوں یا اہل شیعہ کی، اسی طرح نہ تاریخی کتب میں ان کا کہیں تذکرہ گزرا ہے۔ نہ ہی کہیں ان کتابوں کا تذکرہ فریقین (اہل سنت اور شیعہ) کے نسب سے متعلق آثار میں کہیں گزرا ہے۔

۲. جس طرح ان کتابوں کے ناموں سے تاریخ، تراجم اور انساب کی کتابیں خالی ہیں اسی طرح علما کے حالات کے بارے میں لکھی جانے والی تراجم کی کتابیں بھی ہاشم شاہ بغدادی اور قطب الدین شامی کے ناموں سے خالی ہیں۔

۳. ابھی تک نور الدین کے علاوہ کسی نے ان تین کتابوں میں سے کسی کتاب کے حوالے سے حضرت عباس بن علی کی اولاد سے متعلق کوئی خبر بلا واسطہ نقل نہیں کی حالانکہ ایران میں اولاد ابو طالب کے متعلق علم انساب کے ماہرین اور محققین مسلسل تحقیق و جستجو کے مقررہ قواعد میں رہتے ہوئے شب روز اپنی تحقیقات انجام دینے میں مشغول ہیں اور خاص طور پر حضرت ابو طالب کی اولاد کے حالات اور احوال کی جمع آوری میں لگے ہیں یہاں تک کہ بعض ایسے تحقیقی رسالے ہیں جن میں صرف انساب کے متعلق مضامین آرٹیکلز وغیرہ لکھے جاتے ہیں۔

۴. ابھی تک زاد الاعوان اور باب الاعوان کے علاوہ کوئی ایسی کتاب دیکھی نہیں گئی کہ جس میں مذکورہ تین کتابوں سے مطالب نقل ہوئے ہوں۔

۵. نور الدین کی جانب سے چند مرتبہ ان کتابوں کے مطبوعہ مصر و بیروت کہنے کے پیش نظر یہ قابل ملاحظہ ہے کہ ابھی تک ایران و عراق لبنان و مصر و... سے کسی نے ان کے مطبوعہ نسخے کے دیکھنے جانے کی خبر نقل نہیں کی ہے اور اسی طرح نہ کسی نے پاک و ہند میں ان کے دیکھے جانے خبر دی ہے۔ اگرچہ ایک صاحب اس بات کے مدعی ہیں کہ آیت اللہ شہاب الدین مرعشی (مرحوم) نے خلاصہ الانساب تہران کے کسی کتابخانے میں دیکھی تھی، لیکن ایسا درست نہیں ہے اسکے متعلق آنے والی سطور میں بات کریں گے۔

۶. نور الدین کی طرف سے ان کتابوں کے مؤلفین کی نسبت، عالم تاریخ و ماہر حال گذشتگان"[1] یا مورخ بی نظیر"[2] جیسے القابات کے استعمال کے بعد ان کتابوں کا کسی جگہ نہ ملنا، نہ کسی کے دیکھے جانے کا ادعا کرنا وغیرہ کتابوں کے خارج میں موجود نہ ہونے کو مزید تقویت کرتا ہے۔

---

[1] زاد الاعوان ص ۸۰۔

[2] زاد الاعوان ص ۱۴۷۔

۷. نورالدین زاد الاعوان میں عبیداللہ سے لے کر عون تک ان تین کتابوں سے اس طرح نقل کرتا ہے کہ جیسے وہ تینوں کتابوں کے مؤلف باہم اکٹھے تھے۔ کوئی ایک ایسا مقام پیدا نہیں کیا جہاں ان تینوں کتابوں کے مؤلفین کے درمیان کسی جگہ اختلاف ہوا ہو بلکہ اگر کسی جگہ نسب کے عالوہ بھی کوئی مقام ہو تو وہاں بھی ان کے درمیان کوئی اختلاف منقول نہیں ہوا یہاں تک کہ اگر کسی مطلب کی نفی کرنا ہو تو وہاں بھی نورالدین نے ان سے اکٹھا ہی ان کے نہ جاننے کو ذکر کیا ہے۔مثال کے طور پر فصل ہشتم در حمزہ ثانی علوی کا عنوان ذکر کرنے کے بعد نورالدین ان سے نقل کرتے ہوئے ص ۹۹ پر لکھتا ہے:

" میزان قطبی، میزان ہاشمی اور خلاصہ الانساب نے حمزہ کا مادری نسب ذکر نہیں کیا ہے (ایک صفحہ پہلے اس کی ماں کے نسب میں صرف فاطمہ بنت اسد فاروقی لکھتا ہے قابل توجہ یہ ہے کہ عون بن یعلی کے نسب میں واقع تمام افراد کے ماں اور باپ کی طرف سے نسب کو عبدالمطلب تک ذکر کرتا ہے) اور میں نے تاریخ کی کتابوں میں اسے تلاش کیا ہے لیکن کسی جگہ ان کے نسب کو نہیں پایا۔ اسکے باوجود ہر حال میں حمزہ کی والدہ کا نسب قطعی طور پر ثابت ہے۔...." نورالدین کی مذکورہ عبارت اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ تینوں کتابوں کا منبع و مآخذ ایک ہی ہے۔

حد سے زیادہ ایک جیسے مطالب کا نقل کرنا خاص طور پر کسی کی تاریخ ولادت اور وفات میں عام طور پر تاریخ وانساب کی کتب میں کہیں نہ کہیں اختلاف واقع ہو جاتا ہے لیکن زاد الاعوان میں عبیداللہ تا عون بن یعلی اور اسکے بیٹوں تک کے یوم ولادت و وفات، مقام دفن، ماں اور باپ کا نسب کسی ایک جگہ پر بھی کسی اختلاف یا کمی یا زیادتی کے بغیر ایک جیسے ہی نقل ہوئے ہیں۔ یہ بات ان کتابوں کے موجود ہونے کی بجائے انہیں واقعیت سے دور اور افسانے کے قریب کرتی ہیں چونکہ نورالدین اس کتاب میں دس سے زیادہ [۱۳] شخصیات کو ان کے ماں باپ کے اسما اور انکے وفات کے سالوں اور انکے مقام دفن کو ذرہ برابر کسی اختلاف کے نغیر ان تین کتابوں سے نقل کرتا ہے۔

۸. نورالدین عبیداللہ تا عون اور اسکے بیٹوں کے متعلق ان تین کتابوں سے دو طرح کسی واسطے مثلا کشی سے یا بغیر واسطے سے نقل کرتا ہے مثلا علی بن جعفر [۱۴]، قاسم بن علی [۱۵] اور عون بن یعلی کے متعلق ان تین کتابوں سے کسی واسطے کے بغیر درج ذیل تعبیریں استعمال کرتا ہے: **ہو شیخ اصحابنا** [۱۶]۔

۹. بعض جگہوں پر آئمہ کے اسمائے گرامی شیعہ حضرات کی مانند (سلام اللہ و غیرہ کے ساتھ) [۱۷] نقل کرتا ہے کہ جس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ ان تین کتابوں کے مؤلفین شیعہ مکتب سے تھے۔ لیکن بعد کی تالیف باب الاعوان میں عون کے احوال ص ۱۴۲ کے بعد اس طرح نقل کرتا ہے جیسے وہ سنی العقیدہ صوفی تھے۔

۱۰. یہ بات بھی غور طلب ہے کہ بقول نورالدین میزان قطبی و میزان ہاشمی و خلاصہ الانساب مطبوعہ بیروت و مصر ہیں، ایسی کتابوں کا اس زمانے میں ارسال و ترسیل کے وسائل کی کمی اور خاص طور پر ایک پہاڑی علاقے میں ایسی کتابوں کا پہنچ جانا اور جہاں یہ کتابیں چھپی ہیں ان ممالک کے لوگوں کو کانوں کان خبر کا نہ ہونا بھی ایک سوال ہے بلکہ صرف یہی نہیں بلکہ پاک و ہند اور اس کے اطرافیان نے بھی ان کتابوں کی زیارت نہیں حالانکہ زاد الاعوان اور باب الاعوان کتابوں کی تالیف کے درمیان خود چار سال کا زمانی فاصلہ موجود ہے۔

۱۱. یہاں ایک اساسی نکتہ سب سے زیادہ اہم ہے کہ حکیم غلام نبی صاحب اعوان کو قوم کے پاس قدیمی کتب سے نسب نامے کے نہ ہونے یا قدیمی کتب میں اعوان قوم کے ذکر نہ ہونے کا سخت دقدقہ تھا۔ اسی مشکل کے حل کیلئے حکیم غلام نبی صاحب اور اسکے صاحبزادے نے اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بہت بڑی مقدار میں سرمایہ خرچ کر کے کتابیں چھپوا کر قوم میں مفت بٹوائیں۔ یہاں حکیم غلام نبی صاحب اور اسکی اولاد کی نسبت

---

[۱۳] عبیداللہ، حسن، حمزہ، جعفر، علی، قاسم، طیار، حمزہ ثانی، یعلی عون اور اسکے بیٹے۔

[۱۴] زاد الاعوان ۸۸۔

[۱۵] زاد الاعوان ۹۰۔

[۱۶] زاد الاعوان ۱۰۳، ۹۱۔

[۱۷] زاد الاعوان ۹۰، ۸۸،

ذہنوں میں سوال جنم لیتا ہے کہ انہوں نے اصل مآخذ کتابیں (یعنی میزان ہاشمی، میزان قطبی اور خلاصہ الانساب) چھپوانے یا انہیں ترجمہ کروا کر چھپوانے کا اقدام کیوں نہیں کیا جبکہ ایک عام قاری زاد الاعوان اور باب الاعوان کے مطالعے کے بعد آسانی سے اس نتیجے کو پہنچ جاتا ہے کہ دونوں کتابوں میں قطب شاہ سے اوپر اعوان قوم کا نسب انہیں تین کتابوں کے گرد گھوم رہا ہے۔ نیز قوم اعوان کے نسب و تاریخ سے متعلق کتابوں کی بار بار چھپوائی، لوگوں کو ان کتابوں میں مذکور نسب نامے کے نشر و انتشار کی رغبت دلانے جیسے امور کے ہوتے ہوئے خود اصل کتابوں کے ترجمے اور نشر کے مقتضی زیادہ موجود تھے۔

خلاصۃالانساب کی دستیابی

حضرت عباس بن علی کی نسل کے مدعیان کا حضرت عباس بن علی کی نسل سے ہونے کا علمی اور تنہا مستند مصدر و مآخذ زاد الاعوان اور باب الاعوان ہیں۔ ان دونوں کتابوں کی اساسی اور بنیادی مشکل نور الدین کی طرف سے میزان قطبی، میزان ہاشمی اور خلاصۃالانساب کے حوالے سے ان کے نسب و تاریخ کا بیان بنا ہوا ہے کیونکہ ۱۸۹۸عیسوی سے لے کر ابھی تک اس قوم کے محققین، مؤلفین اور دعویدار حضرات نور الدین کی زاد الاعوان اور باب الاعوان کے علاوہ ان تین کتابوں کا ناموں کی حد تک بھی کوئی علمی اور قابل اعتبار مستند ڈھونڈنے میں ناکام رہے ہیں کہ جو اس بات کا بیان گر ہو کہ یہ کتابیں کسی دور میں لکھی گئیں اور پھر وہ طبع بھی ہوئی ہوں۔ اسی طرح نور الدین کی جانب سے ان تین کتابوں میں سے ایک کتاب تو مؤلف کے نام کے بغیر ہے اور باقی دو مؤلفین کے موجود ہونے کا کوئی علمی یا قابل اعتبار مستند حاصل نہیں کر سکے ہیں کہ جو ان شخصیات کے ہونے کا بیان گر ہو بلکہ مؤلفین کو ناموں کی حد تک بھی اسے نہیں سلجھایا نہیں جا سکا۔

بعض احباب نے زاد الاعوان پر وارد اعتراضات کا جواب دینے کی سعی میں اس کتاب کو درپیش اصلی معمے کو سلجھانے کی کوشش کرتے ہوئے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ زاد الاعوان کے تین مجہول مستندات مل گئے ہیں۔ ان میں سے ایک خلاصۃالانساب ہے کہ جس کا تذکرہ نور الدین نے مؤلف کے نام کے بغیر ذکر کیا ہے۔ ان احباب کے بقول:

معتبر علمائے انساب نے خلاصہ الانساب جس کے حوالے سے بعض مصنفین نے پاک و ہند میں حضرت عباس علمدار کی اولاد کے موجود ہونے کا ذکر کیا ہے.... اس کتاب کے مؤلف کی تعریف و توثیق فرمائی ہے۔ مثلا اس صدی کے شہرہ آفاق نسابہ علامہ آیت اللہ شہاب الدین مرعشی لکھتے ہیں: ملا محمد نجف کرمانی نسب شناس، لغوی شاعر، متکلم، ثقہ، استوار و بزرگوار، قابل اعتماد اور احادیث شناس تھے، وہ کرمان میں پیدا ہوئے خراسان مشہد (ایران کے شہر) امام رضا علیہ اسلام کے جوار میں اپنی تعلیم مکمل کی، نوے سال سے زیادہ پر برکت عمر گزار کے ۱۲۹۰ھ ق میں وفات پائی اور حسب وصیت حرم امام رضا میں صاحب وسائل کی قبر کے پاس دفن ہوئے۔ انہوں نے بہت سی عمدہ کتابیں تالیف فرمائیں۔ ان میں سے کتاب خلاصۃ الانساب جس میں انساب قریش میں میں علویوں وغیرہ کا نسب جمع کیا ہے، کتاب خلاصۃ العروض، شرح خطبہ حضرت زہرا، شرح دعائے جوشن کبیر، شرح دعائے صباح حضرت امام علی، جامع الاحادیث فی الاخبار وغیرہ۔ پھر زاد الاعوان اور باب الاعوان کے علاوہ اس کتاب کا ذکر بہت سی کتب من جملہ کتاب تاریخ خراسان، ص ۱۱۲، کتاب ایضاح المکنون ج ۱ ص ۴۳۳، کتاب ہدیۃ العارفین ج ۲ ص ۳۸۰، کتاب اعیان الشیعہ ج ۱ ص ۷۷، کتاب الذریعہ ج ۲۳ ص ۳۰۷، وغیرہ میں ملتا ہے۔ اب اس قدر مشہور کتاب کی حقیقت کا انکار کرنا اور جھوٹا قرار دینا سراسر جہالت اور ہٹ دھرمی ہے۔[18]

خلاصۃالانساب کے وجود پر استدلال گویا اس طرح رقم کیا کہ ایک جانب مصنف کا نام لئے بغیر کتاب ذکر کرنے کا طرز تالیف متقدمین علما کا رہا ہے (موصوف نور الدین کو متقدمین کا جزو شمار کرتے ہیں)۔ دوسری جانب فہرست نویسی اور تراجم کی کتب میں خلاصۃالانساب محمد نجف کرمانی کی تالیف مذکور ہوئی ہے پس زاد الاعوان اور باب الاعوان میں مذکور خلاصۃالانساب محمد نجف کرمانی کی تالیف ہے۔

نکتہ جالب یہ ہے کہ آیت اللہ شہاب الدین مرعشی مرحوم لباب الانساب[19] کے مقدمے[20] میں محمد نجف کرمانی کے حالات زندگی اور اسکی تالیفات ذکر کرتے ہوئے اسکی کتاب خلاصۃالانساب کا ذکر کرتے ہیں لیکن اس کتاب کے دیکھنے یا اسکے مطبوعہ ہونے کے متعلق کوئی بات ذکر نہیں کرتے ہیں۔ خلاصہ الانساب کے متعلق

---

[18] وزیر حسین علوی، کریمۃالخلائق ص ۲۵۰، ۲۴۹۔

[19] لباب الالباب ۱/۱۲۱ و ۱۲۲

[20] جو بنام کشف الارتیاب ہے۔

اجمالی طور پر اسی قدر ذکر کرتے ہیں کہ کرمانی نے اس کتاب میں قریش میں سے علوی اور غیر علویوں کے انساب کو اکٹھا کیا ہے۔ البتہ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ محسن امین عاملی، عمر کحالہ اور آقا بزرگ تہرانی نے اپنی اپنی تالیفات میں نجف کرمانی کے مختصر حالات اور اسکی تالیفات کا خلاصۃالانساب سمیت ذکر تو کیا ہے لیکن اس کتاب کے موضوع کے متعلق کچھ نہیں لکھا ہے۔[21]

لباب الالباب کے مقدمے میں آقائے مرعشی کی محمد نجف کرمانی اور اسکی خلاصۃالانساب کے بارے میں مذکورہ مطالب کے پیش نظر زاد الاعوان کی خلاصۃ الانساب کو نجف کرمانی کی کتاب قرار دینے کو رد کیا جا سکتا ہے:

- کرمانی کی خلاصۃالانساب کے مطالب تک رسائی حاصل کئے بغیر کرمانی کی کتاب کو زادالاعوان کے مآخذوں میں سے قرار نہیں دیا جا سکتا ہے حالانکہ کوئی بھی کرمانی کی اس کتاب کے تفصیلی مندرجات سے آگاہ نہیں تھا خاص طور پر آقای مرعشی بھی اسکے تفصیلی مندرجات سے واقف نہیں تھے جبکہ آقائے مرعشی کے جد اور کرمانی ایک دوسرے سے اجازۂ روایت بھی رکھتے تھے۔
- ایک نام کی چند کتابیں دیکھ کر یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ ہماری مطلوبہ کتاب ہے۔ نہایت ہی غیر اندیشمندانہ قدم ہے۔ کیونکہ کتب کی فہرستوں میں بعض اوقات ایک نام کی ایک سے زیادہ کتابیں مذکور ہوتی ہیں لیکن ان کے مصنف مختلف ہوتے ہیں۔اس کے شاہد کیلئے الذریعہ الی التصانیف کے مختلف مقامات دیکھے جا سکتے ہیں۔مثلاالامالی کے نام سے بزرگ تہرانی نے شمارہ ۱۲۳۴ سے لے کر ۱۲۴۸ تک مختلف مصنفین کی امالیوں کی معرفی کی ہے۔اس طرح کی کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔
- نورالدین خلاصہ الانساب کو مطبوعہ بیروت یا مصر کہتا ہے جبکہ آقا مرعشی و دیگر مؤلفین اسکی طباعت کے متعلق کچھ بھی ذکر نہیں کرتے ہیں۔ لہٰذا زادالاعوان کی خلاصہ الانساب کو کرمانی کی کتاب قرار دینا درست نہیں ہے۔
- تراجم اور فہرست نویسی کی کتابوں سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کرمانی کی خلاصۃالانساب چاپ نہیں ہوئی ہے۔
- نورالدین خلاصۃ الانساب کے حوالے سے یعلی کا بیٹا عون بن یعلی اور اسکی اولاد کے پاک و ہند میں آنے،اسکے یہاں شادیاں کرنے اور اسکی اولادوں میں سے کچھ کے یہاں رہنے اور کچھ کے عراق واپس جانے کا ذکر کرتا ہے۔ جبکہ ان مطالب کو آقائے مرعشی وغیرہ میں سے کسی نے کرمانی کی کتاب سے ایسے مطالب ذکر نہیں کئے ہیں۔

میزان القطبی، زبان عربی، مولانا قطب الدین شامی مطبوعہ بیروت

اس کتاب کا وجود ثابت کرنے کیلئے بعض احباب نے یہ راستہ اختیار کیا ہے: اسی طرح میزان ہاشمی (میزان الانساب) کے مصنف ملا مرزا محمد ہاشم علوی موسوی متوفا ۱۲۸۱ جن کا ذکر مکارم الآثار در احوال رجال قرن ۱۴ و ۱۳ ج ۳ ص ۹۸۹ اور المآثر والآثار ص ۳۷ پر ملتا ہے۔"[22]

عروۃالوثقی

نورالدین نے اپنی کتاب کے مآخذوں کی فہرست میں "عروۃالوثقی" کے نام سے عربی کتاب کا ذکر کیا ہے۔ لیکن نورالدین نے اس کتاب سے اعوان قوم کے نسب یا انکی تاریخ سے متعلق کسی قسم کا کوئی بھی مطلب زاد الاعوان میں ذکر نہیں کیا ہے۔ البتہ جعفر بن حمزہ علوی کے حالات میں لکھتا ہے:

---

[21] السید محسن الامین (مت ۱۳۷۱ھ ق) اعیان الشیعہ ج ۱۰ ص ۷۹؛ عمر کحالہ، معجم المؤلفین ج ۱۲ ص ۴۷؛ إسماعیل باشا البغدادی (مت ۱۳۳۹ھ) ہدیۃ العارفین ج ۲ ص ۳۸۰۔

[22] کریمۃ الخلائق ۲۵۰

میں ۱۳۱۵ھ کے دوران دہلی گیا تو وہاں ایرانی سیاح بنام "اسد اللہ" سے ملاقات ہوئی، میں نے اسکے پاس امامیہ سے ایک عربی خطی کتاب دیکھی اور اس کتاب کے مقدمے میں مصنف کا نام " جعفر بن الحمزہ بن حسن بن عبیداللہ بن عباس بن علی العباسی ثم الہاشمی القریشی نسلاو البغدادی ثم مدنی مسکینا" ونیز اس کتاب کا نام " عروۃالوثقی " لکھا ہوا تھا۔مکمل کتاب امامیہ کے مطابق لکھی ہوئی تھی"[۲۳]۔

مزید لکھتا ہے :

از کتاب عروۃالوثقی، سلسلہ نسب وسکونت جعفر تصدیق شد نیز پسر علی بودن او صاحب میزان بالصراحت نوشتہ"[۲۴]۔

عروۃالوثقی کتاب کے توسط سے جعفر کی جائے سکونت اور نسب کی تصدیق ہوتی ہے نیز صاحب میزان نے اس کے باپ کے نام علی کی تصریح کی ہے۔

پس مذکورہ بیانات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ نورالدین نے ان کے ذریعے جعفر بن علی کی شخصیت کے وجود کو ثابت کیا اور اسی بنا پر نورالدین نے اسے کتاب کا نام زادالاعوان کے مآخذوں میں ذکر کیا ہے۔

اس کتاب کی نسبت عمدہ اشکال اور اعتراض یہ ہے کہ اس نام کی اس شخصیت سے کوئی کتاب شیعہ فہرست نویسی یا اصحاب آئمہ کے حالات زندگی میں مذکور نہیں ہوئی ہے۔خاص طور پر اس بات کے پیش نظر کہ علمائے شیعہ ابتدا سے ہی اصحاب آئمہ کی تالیفات کی اہمیت وارزش کے قائل تھے نیز شیعہ مذہب میں مخالفین کی جانب سے قلّت تصانیف کے اعتراض کا جواب دینے یا اپنے مذہبی آثار کی حفاظت کی جہت سے دینے کیلئے بھی مختلف زمانوں میں علما نے اس عنوان کے تحت کتابیں تالیف کیں۔ جیسا کہ ابو عباس احمد بن علی بن احمد بن العباس نجاشی اسدی کوفی نے شیعہ مکتب پر قلّت تصانیف نہ ہونے کے جواب میں اسمائے مصنفی الشیعہ کے نام سے کتاب تالیف کی[۲۵] ۔اس کتاب میں گذشتہ علما اور اصحاب آئمہ کی بہت سی کتب کے اسما بیان ہوئے ہیں۔اسی طرح شیعہ رجال کی دیگر بعض کتب اسی روش کے تحت لکھی گئی ہیں۔لیکن ظاہرا ابھی تک کسی جگہ اس نام سے مذکورہ شخص کی نسبت کوئی ایسا کتاب ذکر نہیں ہوئی ہے۔

ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ نورالدین نے عون بن یعلی کے نسب کے درمیان اس نام کا اضافہ کیا اور پھر اسے شخص کے وجود کے اثبات کیلئے یہ راستہ اختیار کرتے ہوئے اسکے نام سے ایک خطی کتاب کو ذکر کیا تا کہ اس شخص کو واقعیت کے زیادہ قریب دکھایا جا سکے۔واللہ اعلم بالصواب

مفتاح کنزالسعادت

نورالدین اس نام سے ایک عربی کتاب مآخذوں کی فہرست میں علی بن جعفر کی تالیف ذکر کرتا ہے لیکن کتاب کے مطالعے سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ اس کتاب سے نسب یا اعوان قوم کی تاریخ سے مربوط کوئی مطلب نقل نہیں ہوا ہے۔اس کتاب کے متعلق لکھتا ہے :

---

[۲۳] زادالاعوان ص ۸۵۔

[۲۴] زادالاعوان ص ۸۵۔

[۲۵] می توان رجال نجاشی،

میں نے ایران کی مطبوعہ کتب احادیث کی فہرست میں یہ نام دیکھا اور میں نے دیکھا کہ اسکی قیمت چھ روپے (۶ روپیہ) لکھی ہوئی تھی ۔ نیز اسی کی ایک اور کتاب منصب امامت کے نام سے بھی اس کی تالیف ہے ۔ میں نے ان دونوں کتابوں کو نہیں دیکھا ہے لیکن ان کے نام شیعہ کتب کی فہرست میں پڑھے ہیں۔[۲۶]

فہرست نویسی اور تراجم کی کتب اس نام سے خالی ہیں نیز اس کے فورا بعد آنے والے یہ الفاظ: اس کتاب کی قیمت: ۶ روپے لکھی ہوئی تھی ، اس کتاب کے غیر صحیح ہونے پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ آج تک کسی نے نقل نہیں کیا کہ ایران کے کسی دور میں یہاں کا رائج سکہ روپیہ رہا ہو اگرچہ ایرانی تاریخ کے مطابق اول فروردین ۱۳۱۱ شمسی (بمطابق ۴/اپریل ۱۹۳۲ میلادی) میں ریال ایرانی سکہ رائج ہوا اور دور قاجار میں تومان، قران ، شاہی وغیرہ رائج سکے تھے۔[۲۷]

ایضاح العباد فی تاریخ مشایخ بغداد

اس کتاب کو نور الدین نے میر خلیل بن عبد المہیمن ہمدانی کی تالیف اور مطبوعہ مصر کہا ہے۔ اس کتاب سے عبد اللہ بن عون و محمد بن عون کندلانی کی بحث میں انکی تاریخ پیدائش اور وفات نقل کرتا ہے۔ اسکے متعلق نہ تو نور الدین نے کوئی مزید معلومات فراہم کی ہے اور نہ ہمیں اسکے متعلق معلوم ہے۔

انساب الاقوام، مولف مجہول مطبوعہ ایران

اس کتاب کا مؤلف مجہول لیکن اسے مطبوعہ ایران کہا ہے۔ اس کتاب سے محمد بن عون کندلانی کی بحث میں اس کی نسل کے پاک و ہند اور دیگر ممالک میں آباد ہونے کی خبر دی ہے[۲۸]۔ لیکن اس کتاب کے متعلق کوئی معلومات نہیں ہے۔

معارف فی الانساب، ابن قتیبہ؛

یہ اثر ابو محمد عبد اللہ بن مسلم قتیبہ دینوری کا ہے ۔ ریاض زادہ کے بقول اسکا سن پیدائش ۲۱۳ھ ق اور متوفا ۲۷۰ھ ق ہے لیکن ایڈورڈ فنڈیک نے فہارس الکتب میں ۲۷۶ھ ق جبکہ بزرگ تہرانی نے ۲۸۲ھ ق لکھا ہے[۲۹]۔ المعارف و غریب القرآن و غریب الحدیث و عیون الأخبار و مشکل القرآن و مشکل الحدیث وغیرہ اسکی تصانیف مانی جاتی ہیں ۔ یہ کتاب اگرچہ علم نسب ، ادب، نحو وغیرہ میں ایک لطیف کتاب شمار ہوتی ہے لیکن نور الدین نے اس کتاب سے کوئی ایسے مطالب نقل نہیں کیئے جن سے اعوان قوم کی تاریخ یا نسب کی گتھی سلجھائی جا سکے۔

---

[۲۶] زاد الاعوان ۹۰۔

[۲۷] http://irinn.ir/news/

ن ک: ریال کی و چگونہ واحد پول ایران شد؟ (زمان انتشار خبر: پنج شنبہ ۱ فروردین ۱۳۹۲ - ۱۸:۳۷)

http://www.irna.ir/html/۵/۱۳۹۲/۱۳۹۲۰۱۰۱/۸۰۵۹۰۶۳۵.htm

ن ک: خبر گزاری جمہوری اسلامی: کد خبر: ۸۰۵۹۰۶۳۵ (۳۱۹۹۰۷۲)

[۲۸] زاد الاعوان ۱۳۰۔

[۲۹] تہرانی، الذریعہ الی تصانیف الشیعہ ا ص ۳۳۹؛ إدوارد فندیک، اکتفاء القنوع بما ہو مطبوع ج ا ص ۲۴؛ ریاض زادۃ، عبد اللطیف بن محمد ، إسماء الکتب ج ا ص ۲۸۔

نسب نامہ علوی اعوانی عربی قلمی مرتبہ علمای بغداد۔

کتاب کے مصادر میں نسب نامہ علوی اعوانی کے نام سے ایک نسب نامہ ذکر کیا اور کہا ہے کہ بغداد کے علما کا مرتب شدہ ہے اور اس کے آخر میں عباسی خلیفہ معتصم باللہ کی مہر ثبت ہے۔

ظاہری طور پر کتاب میں کسی جگہ اس نسب نامے سے استناد نہیں کیا حالانکہ خود اسکے بقول معتصم باللہ ۲۲۰ھ ق میں زندہ تھا۔

نور الدین کے بقول عون بن یعلی اپنے بیٹوں کے ساتھ ہند میں آیا تو اسکی نسل اعوان کے نام سے پہچانی جانے لگی نیز چند جگہ عون کا سن پیدائش ۴۱۹ھ ق بغداد ذکر کیا ہے۔ پس اس بیان کے مطابق اعوان پانچویں صدی میں وضع ہوا۔ نیز عباسی خلیفہ کا سن وفات مؤرخین ۲۲۷ھ ق لکھتے ہیں[30]۔ نور الدین خود ص ۸۷ میں خلیفہ کے زندہ ہونے کا لکھتا ہے پھر ص ۸۹ میں ۲۴۵ خلیفہ مستعین باللہ بن معتصم باللہ کے خلیفہ ہونے کی خبر دیتا ہے ان حقائق کی بنا پر اعوانی کا لفظ نسب نامہ علوی کا حصہ نہیں ہونا چاہئے۔ بعید نہیں کہ یہ نسب نامہ نور الدین کی جعلیات میں سے ہو کیونکہ بر صغیر پاک و ہند میں قدیمی شجرے نامے کسی بھی خاندان کی سیادت کے اثبات کی دلیل وحید سمجھے جاتے ہیں اور ان شجرہ ناموں کی حفاظت کیلئے تمام اقوام اپنی پوری قوت صرف کرتی ہیں۔ لیکن یہاں اگر یہ نسب نامہ واقعیت رکھتا ہوتا تو اعوان قوم کیلئے گنج بے بہا سے کم نہیں تھا حکیم غلام نبی صاحب اور اسکی اولاد جیسا کہ اس سے پہلے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ اپنی قوم کی شناخت کی بقا کیلئے ہر ممکن حد تک سرمایہ خرچ کرنے کو تیار تھے۔ لیکن اعوان قوم سے متعلق اس قدر اہم سند کہ جس کا تعلق تیسری صدی ہجری سے ہو اسکی حفاظت کیلئے خاطر خواہ اقدامات کا نہ ہونا اس بات کا نشانگر ہے کہ اگر وہ نسب نامہ تھا تو بھی ان کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی کہ اسکے لئے سرمایہ کو خرچ کیا جائے (واللہ اعلم) اولا؛ ثانیا: احتمال دیا جا سکتا ہے کہ نور الدین نے اس نسب نامے کے ذریعے جعفر (جو بقول نور الدین ۲۲۰ھ ق کے لگ بھگ فوت ہوا) کی شخصیت کو واقعیت کا روپ دینے کیلئے ایک کوشش کی ہو اور یوں کہا جا سکے کہ عون بن یعلی کے نسب میں آنے والا جعفر علوی شخص کے وجود پر صرف میزان قطبی و ہاشمی اور خلاصہ الانساب ہی دلالت نہیں کرتیں بلکہ اسکے زمانے کے بغدادی علما کا ترتیب شدہ اور خلیفے کا تائید شدہ نسب نامہ بھی اس پر گواہ ہے۔

ان سب باتوں سے قطع نظر اساسی اور بنیادی سوال پیدا ہوتا ہے کہ جعفر کی شخصیت کی نسبت بغداد کے علما کو کیا پڑی تھی کہ وہ اکٹھے سر جوڑ کر اس کا نسب نامہ مرتب کریں اور پھر حاکم وقت کے سامنے پیش کریں اور وہ اس کے نسب پر اپنی مہر لگائے۔ کیا جعفر علوی بغداد میں مشکوک النسب معروف ہو گیا تھا اور وہ اس دور کی اس قدر اہم شخصیت والا تھی اسکے لئے ایسا قدم اٹھانا ناگزیر تھا اور دوسری جانب بغداد کے علما اور حاکم وقت اسکے طرفداروں میں سے تھے۔ لہٰذا اس کے نسب میں موجود شکوک و شبہات کو دور کرنے کیلئے علمائے بغداد نے یہ اہم قدم اٹھایا۔

اگر مان لیا جائے کہ کسی بھی وجہ سے جعفر علوی کیلئے یا اس سلسلۂ نسب کے اثبات کیلئے بغدادی علما نے یہ اقدام کیا تو بقول نور الدین جعفر علوی اصحاب علی بن موسی رضا کے اصحاب میں سے تھا جو شیعوں کے نزدیک آٹھویں امام معصوم کا درجہ رکھتے ہیں نیز اسکے بقول شیعہ مکتب میں اسکی شخصیت ایسی عظمت کی مالک تھی کہ جس پر تمام شیعہ علما کا اتفاق تھا۔ ان کے پیش نظر جعفر کے نسب کی تائید شیعہ اپنے امام معصوم سے کرواتے (چاہے وہ امام رضاؑ ہوتے یا ان سے پہلے یا بعد کے امام ہوتے) کیونکہ ان کی نگاہ میں ان کے امام کی تائید حیثیت اور یقینی اور قطعی دلیل

---

[30] تاریخ طبری ۳۱۷/۷؛ ذہبی در تاریخ الاسلام ج۱۶ ص۲۷؛ الصفدی در الوافی بالوفیات ج۲۷ ص۱۲۰؛ ابن کثیر در البدایہ و النہایہ ۳۲۶/۱۰۔

رکھتی ہے اور حاکم وقت کی تائید شیعوں کی نظر میں کیا اہمیت رکھتی ہے۔ کیا تاریخ تشیع میں ایسے موارد ہیں جہاں انہوں نے امام کی مقابلے میں دنیا کے کسی خلیفے کو اہمیت دی ہو اور پھر خاص طور پر شیعہ مکتب بلا استثنا تاریخی اور حدیثی شواہد کی بنا پر اس بات کا قائل و معتقد ہے کہ آئمہ کے دور حیات میں بنی امیہ کے خلفا ہوں یا بنی عباس کے خلفا ہوں، وہ سب انکے مخالف رہے شیعہ آئمہ سمیت انکے شیعوں کی زندگی ہمیشہ نامساعد حالات سے دوچار رہی۔ لہٰذا کسی بھی طور اس دور کے علما کی حاکم وقت سے تائید کوئی معنی نہیں رکھتی ہے اور یہ سوچنا کہ وہ بغداد کے علما شیعہ مکتب سے نہیں تھے وہ انکے مخالف مسلک سے تعلق رکھتے تھے لہٰذا اس لئے انہوں نے حاکم وقت سے تائید لی۔ یہ وجہ پہلی سے بھی بدتر ہے کہ مخالف مسلک کے علما کو توان حالات میں اس امر کی اسوقت ضرورت پیش آنا تھی جب جعفر علوی شیعہ ہونے کے ساتھ ساتھ بلا تفریق دیگر مذاہب میں بھی معروف جانے پہچانے اور نہایت بلند مرتبہ کے حامل ہوتے تو پھر انکے نسب میں شکوک و شبہات کی بنا پر شیعہ طائفے کے علما نے کوئی قدم اس سلسلے میں نہ اٹھایا ہوتا اور مخالف فریق کے علما اسکے لئے حاکم وقت سے تائید حاصل کرتے۔ اگر وہ اس قدر اہمیت کی حامل شخصیت تھی تو جعفر علوی کی زندگی کا ایک نہایت اہم موڑ تھا کہ بغداد کے علما مجموعی طور پر قدم اٹھاتے ہوئے حاکم وقت سے تائید لیں لہٰذا یہ امر تاریخ و نسب، رجال و تراجم کی کتب میں کہیں مرقوم ہوتا یا کم سے کم اسکی طرف اشارہ ہوتا جبکہ جعفر علوی کی شخصیت کے خدوخال سے مذکورہ علوم کی کتب خالی ہیں۔

تاریخ کوہستانی

نور الدین نے اس کتاب کو ۵۱ ویں شمارے کے تحت ذکر کیا اور اسکے بقول مصنف کا نام محمد ذکریا بن ابراہیم دامغانی کی عربی زبان کی تالیف ہے جو اسکے پاس قلمی صورت میں موجود ہے۔ اس کتاب کی نسبت عجیب نہیں کہ کتاب عربی زبان کی تالیف ہے لیکن اس کا نام عربی نہیں ہے۔ عام طور پر غیر عربی نام اس وقت انتخاب کئے جاتے ہیں جب کسی مخصوص معین اور مشخص جگہ کے بارے میں کچھ لکھا جائے جس کا نام عربی نہ ہو جبکہ لفظ کوہستان لغوی اعتبار سے فارسی زبان سے لیا گیا ہے جو فارسی زبان میں ایسے علاقے کیلئے استعمال ہوتا ہے جہاں پہاڑ بکثرت پائے جاتے ہوں اور اردو زبان میں بھی اسی معنا میں استعمال ہوتا ہے۔ دونوں زبانوں میں یہ کسی مقام کا عَلَم (نام) نہیں کہ جس کی بنا پر عربی زبان میں کتاب تالیف کرتے ہوئے اسے انتخاب کیا جائے۔ بہر حال نہ تو کتاب کی کسی ارزش کا علم ہے اور نہ اس کے مؤلف کا علم ہے کہ یہ کون صاحب ہیں اور علمی لحاظ سے آیا اس حیثیت کے مالک ہیں کہ ان کے قول کو کسی علمی مستند کے حوالے سے ذکر کیا جائے۔ پس مجہول الحال کتاب اور مؤلف کسی مطلب کے اثبات کیلئے کافی نہیں ہے۔

نتیجہ

جیسا کہ اس سے پہلے بیان ہو چکا کہ اعوان قوم کے نسب یا تاریخ کے رقم کرنے میں نور الدین صاحب نے اگرچہ سو کے قریب کتابیں ذکر کی ہیں لیکن حق اور انصاف یہی ہے کہ موصوف نے اعوان قوم کی تاریخ اور بالخصوص نسب کے اثبات میں عبد اللہ سے لے کر عون اور اسکے دو بیٹوں تک کے متعلق صرف تین کتابوں سے استفادہ کیا ہے اور وہ کتابیں صرف مجہول الحال اور مجہول المؤلف نہیں بلکہ ان کے مندرجات تاریخ و انساب کی کتابوں کے مخالف ہیں پس ایسی صورت حال میں کسی قوم کی تاریخ و نسب کا اعتبار کیا جانا علمی اور تحقیقی قواعد کے خلاف شمار ہو گا۔ علمی حلقوں میں ایسی تصنیفات کے ذریعے نہ تو کسی قوم کی رقم کی گئی تاریخ کی کوئی قدر و قیمت ہوتی ہے اور اثبات نسب تو بلا شک و شبہ قابل اثبات نہیں ہوتا خاص طور پر جب کہ اسی دور میں اسکے برعکس مطالب پاک و ہند میں تحریری اور زبانی موجود ہوں۔

نسب عون بن یعلی

مولوی نور الدین نے زاد الاعوان میں برصغیر میں آباد اعوان قوم کیلئے جو نسب نامہ پیش کیا اور اس نسب نامے کو حضرت علی کے فرزند محمد بن حنفیہؓ کی بجائے عباس بن علی تک پہنچانے کی سعی جمیلہ کی۔اس نسب نامے میں عباس بن علی سے نیچے درج ذیل افراد کے نام آتے ہیں :

۱: عبد اللہ بن عباس ۔ ۲: حسن بن عبد اللہ۔ ۳: حمزہ بن حسن۔ ۴: جعفر بن حمزہ۔ ۵: علی بن جعفر۔ ۶: قاسم بن علی۔ ۷: طیّار بن قاسم۔ ۸ حمزہ بن طیّار۔ ۹: یعلی بن حمزہ۔ ۱۰: عون بن یعلی۔

ہم یہاں صرف عبد اللہ بن عباس سے لے کر عون بن یعلی سے مربوط بحث ذکر کریں گے۔

عبید اللہ بن عباس علوی[31]

نورالدین کہتا ہے کہ : میزان ہاشمی اور خلاصہ الانساب در باب عباس آمدہ: **کان عبیداللہ بن عباس العلوی من اصحاب علی بن الحسین وابنہ محمد وامہ سکینہ بنت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب الہاشمیہ وکان ازھد آل ابی طالب واعبد فی زمانہ وا شجعھم کجدہ واذا دخل علی بن الحسین یقوم الیہ ویعانقہ فقیل لہ مایحملک علی ذلک قال محبتہ و تقواہ۔** عبید اللہ بن عباس علوی علی بن زین العابدین کے اصحاب میں سے تھا۔اس کا بیٹا محمد اور اس کی ماں سکینہ بنت عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب ہاشمیہ تھی۔عبید اللہ آل ابیطالب میں سے زاہد ترین، اپنے زمانے کا عبادت گزار ترین اور اپنے جد کی مانند شجاع تھا۔جب وہ علی بن الحسین کے پاس آتا تو علی بن حسین کھڑے ہو جاتے اور اس سے معانقہ کرتے۔استفسار کیا گیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں ؟ تو جواب دیا اس کی محبت اور تقوا کی وجہ سے میں ایسا کرتا ہوں۔

- کتب انساب بالاتفاق عبید اللہ بن عباس کی والدہ کا نام "لبابہ" ذکر کرتی ہیں یہاںتک کہ معروف نسابہ ابو نصر نے ۱۷ انسابہ کے حوالے سے عبید اللہ کی ماں کا نام لبابہ نقل کیا ہے۔پس اس بنا پر اطمینان سے کہا جا سکتا ہے کہ عبید اللہ کی والدہ کا نام لبابہ مشہور و متواتر حد تک ذکر ہوا ہے۔
- نور الدین نے عبید اللہ کی ماں کا نام سکینہ ذکر کیا جبکہ اس موضوع سے متعلق اصل کتابوں میں کسی نے عبد اللہ بن عباس کی کسی کوئی بیٹی سکینہ کے نام سے ذکر نہیں کی ہے بلکہ اس کے برعکس لبابہ[32] نام کی بیٹی ذکر ہوئی ہے۔

---

[31] زاد الاعوان ۷۴ تا ۷۷۔

نور الدین میزان ہاشمی اور خلاصہ الانساب کے حوالے سے لکھتا ہے : **روی الکشی عن حمدویہ بن نصیر عن محمد بن الحسین بن إبی الخطاب عن إحمد بن محمد بن عیسی عن یونس بن یعقوب إن الصادق علیہ السلام قبل بین عینیہ بعد الصلوۃ علیہ السلام و قال إنت ابی وہذا الطریق واضح۔**

- یہ جملے رجال کشی میں موجود نہیں ہیں البتہ خلاصۃ الاقوال میں علامہ حلی کے بقول عیسی بن عبداللہ قمی کے حق میں کشی نے امام جعفر صادقؑ سے نقل کئے ہیں: روی الکشی عن حمدویہ بن نصیر عن محمد بن الحسین بن إبی الخطاب عن إحمد بن محمد بن عیسی عن یونس بن یعقوب إن الصادق علیہ السلام قبل بین عینیہ و قال إنت منا إہل البیت . وہذا الطریق واضح .[33] کشی نے حمدویہ سے،........، امام صادقؑ نے اس کی آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا اور کہا: تم ہمارے اہل بیت میں سے ہو۔ یہ طریق واضح ہے۔
- نور الدین کے بیانات سے استفادہ ہوتا ہے کہ میزان ہاشمی ، میزان قطبی اور خلاصۃ الانساب کے مؤلفین گویا شیعہ امامیہ تھے پس اس کے پیش نظر یہ بات نہایت بعید ہے کہ وقت کا معصوم امام کسی غیر معصوم شخص کیلئے "انت ابی (تم میرے باپ)" استعمال کرے۔

آخرکار صاحب میزان وخلاصہ الانساب سے نقل کرتا ہے کہ عبیداللہ بن عباس ۱۲۰ھ ق، بدھ کے روز ۲۷ شوال کو فوت ہوا اور بقیع میں مدفون۔

حسن بن عبیداللہ علوی [34]

نور الدین حسن بن عبیداللہ کے متعلق میزان قطبی، میزان ہاشمی اور خلاصۃالانساب سے نقل کرتا ہے: **اما حسن بن عبیداللہ بن عباس علوی اخذ الطریقہ من جعفر الصادق وامہ مریم بنت علی بن عبیداللہ بن جعفر الطیار بن علی ابن ابی طالب وکان خصیصا بجعفر ابن محمد جلیل القدر عظیم المنزلہ زاہدا اور عاکثیر المحاسن ادیبا وکان الصادق یکثر الثناء علیہ مات سنہ ثمانین ومائۃ ودفن بالبقیع الغرقد۔**

---

[32] التِّلمسانی المعروف بالبُرّی، الجوہرۃ فی نسب النبی وإصحابہ العشرۃ،ج۲ص۲۲؛ إبو عبد اللہ الزبیری، نسب قریش،ج۱ص۲۸؛ابن قتیبہ، المعارف ج۱ص۲۶؛ واقدی محمد بن سعد ،الطبقات الکبری،ج۵ص۳۱۸؛

[33] الحلی الخلاصۃ ص : ۱۲۲۔

[34] زادالاعوان ص۷۷تا۸۰۔

حسن بن عبید اللہ بن عباس علوی نے طریقت جعفر صادق سے اخذ کی ۔اسکی والدہ کا نام مریم بنت عبید اللہ بن جعفر طیار بن علی بن ابیطالب تھا۔ حسن علوی جعفر بن محمد کے جلیل القدر اصحاب میں سے جلیل القدر، عظیم المنزلت، زاہد، متقی ترین، بہت سی اچھی خصوصیات کا صاحب اور ادب کا ماہر تھا؛ جعفر صادق اسکی بہت زیادہ تعریف و تمجید کرتا تھا۔۱۸۰ ہجری قمری کو فوت ہو کر جنت البقیع میں دفن ہوا۔

مریم بنت علی بن عبیداللہ

زاد الاعوان میں حسن بن عبید اللہ کی والدہ مریم بنت علی بن عبید اللہ بن جعفر طیار ذکر ہوئی ہے جبکہ

- علی بن محمد علوی نے مجدی فی انساب الطالبین میں حسن بن عبید اللہ کی والدہ ام ولد کہا ہے ۔[۳۵]
- جعفر طیار کی نسل صرف عبد اللہ سے ہے۔ عبد اللہ کے ۲۰ یا ۲۴ بیٹے تھے۔[۳۶] الفخری فی إنساب الطالبیین میں کسی بیٹی کے ذکر کے بغیر علی زینبی بن عبد اللہ کے محمد، جواد اور اسحاق بیٹے ذکر ہوئے ہیں ۔[۳۷]
- فخر رازی نے شجرہ مبارکہ فی انساب الطالبین ۵۸/۱ نے محمد اور اسحاق تو ذکر کئے ہیں لیکن کسی بیٹی کا ذکر نہیں کیا ہے[۳۸]۔

حمزہ بن حسن بن عبیداللہ علوی

نورالدین میزان ہاشمی، میزان قطبی اور خلاصۃالانساب کے حوالے سے نقل کرتا ہے :

" حمزہ کی والدہ کا نام رقیہ بنت جعفر بن حسن مثنی بن حسن بن علی ہے۔ نیز مذکورہ کتابوں سے اس کی مدح یوں نقل کرتا ہے: حمزۃ بن الحسن العلوی کان لہ اختصاص بموسی الکاظم سلام اللہ علیہ و قال بعض الثقات ان موسی الکاظم کان قاعدا تحت ظل اذا طلع علیہ شاب حلوالوجہ حسن الشمائل علیہ قمیص نرسی و رداء نرسی و فی رجلہ نعل محضر فسلم علی موسی فقام الیہ فرحبہ فجالسا ساعۃ فقاما وکفہ فی کف موسی فذھبہ اقداما فرجع موسی و ذھب ھو فقلت یا سیدی من ھذا الشاب قال ھو حمزہ بن الحسن العلوی من

---

[۳۵] علی بن محمد علوی، المجدی فی انساب الطالبین ۲۳۱۔
[۳۶] ابن عنبہ، عمدۃ الطالب مت ۸۲۸۔
[۳۷] مروزی، الفخری فی إنساب الطالبیین ج ۱ ص ۲۰۔
[۳۸] فخر رازی، شجرہ مبارکہ فی انساب الطالبین ۵۸/۱

اہل قولہ تعالیٰ إن الذین سبقت لہم منا الحسنی (انبیاء : ۱۰۱)۔ حمزہ بن حسن علوی کا امام موسیٰ کاظم کے پاس خاص حیثیت و مقام تھا۔ بعض ثقہ لوگوں نے کہا: موسیٰ کاظم ایک سایہ دار جگہ پر کھڑے تھے کہ ایک شیرین اور نیک شمائل جوان اس کے پاس آیا اسکے

- رجال شیعہ میں حمزہ بن حسن علوی کا ترجمہ و حالات زندگی مذکور نہیں ہیں البتہ نور الدین نے حمزہ کے بارے میں جو کہا ہے علامہ حلی اور نجاشی نے حلوالوجہ سے لے کر فرجبہ تک کا حصہ حسن بن علی بن فضال تیملی کے متعلق نقل کیا ہے۔[39]
- شیعہ رجال میں آیت "ان الذین سبقت لھم منا الحسنی[40]" کا ایک مصداق سنان بن عبد الرحمٰن بیان ہوا ہے۔[41] کسی جگہ حمزہ بن حسن کو اس آیت کا مصداق نہیں کہا گیا۔

نور الدین مزید اس کے بارے میں میزان ہاشمی، میزان بغدادی اور خلاصۃ الانساب سے نقل کرتے ہوئے کہتا ہے:

"ھومات سبۃ نیف و تسعین ومایۃ یعنی حمزہ ۱۹۰ھ کے چند سال بعد فوت ہوا اور بغداد میں مقابر قریش کے درمیان مدفون ہوا۔ نیز نور الدین اضافہ کرتا ہے کہ مامون وہ پہلا عباسی خلیفہ تھا جس نے شیعہ مذہب اختیار کیا۔ شاید اس نے اس مذہب کی حمایت کیلئے حمزہ کو مدینہ سے بغداد طلب کیا اور اپنی بیٹی کا نکاح علی بن موسی سے کیا اور حمزہ کی اولاد نے شیعہ مسلک اختیار کیا لیکن میرے نزدیک (نور الدین) واضح نہیں ہے کہ حمزہ نے شیعت اختیار کی یا نہیں؟[42]

شاہرودی نمازی نے حمزہ کے بارے میں مجہول قول کے ساتھ کہا کہ وہ امام رضا کے اصحاب میں سے تھا۔[43]

رقیہ بنت جعفر بن حسن (حمزہ بن حسن کی والدہ)

بعض کتب انساب نے حمزہ بن حسن، فضل اور عبید اللہ کی والدہ کا نام ام الحارث ذکر کیا جو فضل بن عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب کی بیٹی تھی۔[44]

---

[39] ابو العباس نجاشی، رجال نجاشی ۳۴؛ علامہ حلی، خلاصہ الاقوال ۹۹؛ شیخ طوسی، رجال کشی ج ۲ ص ۸۰۱۔

[40] انبیاء ۱۰۱۔

[41] علامہ حلی، خلاصہ الاقوال ۱۶۴۔ شیخ طوسی، رجال کشی ص ۴۱۰ ش ۷۷۰

[42] زاد الاعوان ۸۰ تا ۸۴۔

[43] شاہرودی نمازی علی، مستدرک رجال حدیث ج ۳ ص ۲۷۲ ش ۵۰۴۰۔

[44] ابو عبداللہ زبیری، نسب قریش ۷۹۔

- "جمہرہ انساب العرب" میں جعفر کی کوئی بیٹی مذکور نہیں ہوئی البتہ اس کے بیٹوں کے نام ذکر ہوئے ہیں۔[۴۵]
- فخر رازی نے "شجرہ مبارکہ" میں کہا: جعفر بن حسن کی نسل حسن سے پھیلی لیکن اس نے اسکی کسی بیٹی کا مذکورہ نام ذکر نہیں کیا۔[۴۶]
- ابن عنبہ نے جعفر بن حسن کی صرف ایک بیٹی کا نام لیا اور اسے ام حسن کہا ہے۔ جس نے پہلے جعفر بن سلیمان سے اور پھر عمر الاطرف سے ازدواج کی۔[۴۷]
- سر السلسلہ العلویہ میں جعفر کی ۱۹ اولادیں مذکور ہیں لیکن کسی بیٹی کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے۔[۴۸]
- مستدرکات علم الرجال ۱۵۰/۲: بیٹی کا نام لئے بغیر ذکر کیا ہے [۴۹]۔
- تہذیب المقال ۴۶۹/۴: مجدی نے کہا: جعفر کی ۶ بیٹیاں اور ۴ بیٹے تھے[۵۰]۔
- مجدی نے ص ۸۲ پر چھ بیٹیاں ذکر کیں اور ایک بیٹی کا نام "رقیہ" ذکر کیا لیکن اس کے بارے میں یہ نہیں کہا کہ یہ حمزہ کی ماں تھی۔[۵۱] البتہ زبیری نے حمزہ کی ماں کا نام ام الحارث بن فضل ذکر کیا۔

حمزہ کے حالات زندگی شیعہ رجال کی آٹھ کتابوں میں سے کسی میں بھی مذکور نہیں ہے لیکن حمزہ کو صرف کی حد تک صرف حمزہ بن قاسم نیز علی بن حمزہ یا محمد بن علی بن حمزہ کے احوال کے ذریعے انساب اور تاریخ کی کتابوں سے ثابت کر سکتے ہیں۔

---

[۴۵] جمہرہ انساب العرب
[۴۶] فخر رازی، شجرہ مبارکہ ج:۱ص:۹۔
[۴۷] ابن عنبہ، عمدہ الطالب ۹۸۔
[۴۸] ابو نصر بخاری، سر السلسلہ العلویہ ۱۹۔
[۴۹] شاہرودی نمازی، علی، مستدرکات علم الرجال ۱۵۰/۲۔
[۵۰] ابطحی، سید محمد علی، تہذیب المقال ۴۶۹/۴۔
[۵۱] مجدی ۸۲۔

جعفر علوی[۵۲] شخص واقعی یا خیالی

نورالدین میزان ہاشمی، میزان قطبی اور خلاصۃالانساب کے حوالے سے نقل کرتا ہے: وہ باب علوی عباسی میں یوں لکھتے ہیں:

اما جعفر بن الحمزہ العلوی کان می اصحاب علی الرضا بن الموسی وامہ ام کلثوم بنت حسن بن حسین بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب۔

شیعہ رجال، حدیثی کتب اور انساب کی کتب جعفر بن حمزہ کے نام سے خالی ہیں۔اسی طرح اس کی والدہ کے نام ام کلثوم بن حسن کا بھی کہیں تذکرہ نہیں ملتاہے کیونکہ

- سر السلسلہ العلویہ ۴۷ میں حسن کے بیٹے محمد، عبداللہ اور ان کی ماں کا نام خلیدہ بنت عتبہ کا تو ذکر ہے لیکن کسی بیٹی کا تذکرہ نہیں ہے[۵۳]۔
- ابن عنبہ نے حسن کے چار بیٹوں کے ہونے کا ذکر کیا ہے۔[۵۴]
- مجدی فی انساب الطالبین کے مصنف مجدی نے حسن بن حسین کی اولاد میں ایک بیٹی فاطمہ اور چار بیٹوں کے ناموں میں عبداللہ و حسین و محمد کو ذکر کیا ہے۔[۵۵]
- رازی نے شجرہ مبارکہ میں کسی شرح تفصیل کے بغیر صرف یہ کہنے پر اکتفا کیا کہ حسن کی نسل اسکے بیٹے محمد سے پھیلی[۵۶]۔

مزید نورالدین جعفر بن حمزہ کی مدح سرائی کرتے ہوئے انہی تین کتابوں خلاصۃالانساب، میزان قطبی و ہاشمی سے نقل کرتا ہے:

---

[۵۲] زادالاعوان ص ۸۴ تا ۸۸۔

[۵۳] ابو نصر بخاری، سر السلسلہ العلویہ ۴۷۔

[۵۴] ابن عنبہ، عمدہ الطالب ۳۱۳۔

[۵۵] علوی، علی بن محمد۔ مجدی ۲۰۸۔

[۵۶] فخر رازی الشجرہ المبارکہ ج ۱ ص ۴۸۔

ھو محدث جلیل القدر قال الکشی اجتمعت الصحابہ علی الصحیح مایصح عنہ واقروا لہ بالفقہ فی آخرین۔ وہ ایک جلیل القدر محدث تھا۔ کشی نے اس کے متعلق کہا: صحابہ اس بات پر متفق ہیں کہ جو کچھ بھی اس سے نقل کیا گیا ہے وہ صحیح ہے اور صحابہ اس کی فقہی معلومات کے اقرار کرتے ہیں۔

- جیسا کہ ہم نے ذکر کیا شیعہ رجال کی کتب ہوں یا احادیث کی یا انساب کی کتب ہوں کسی میں بھی جعفر بن حمزہ کہیں کا ذکر موجود نہیں ہے لیکن نور الدین مکتب تشیع میں جعفر بن حمزہ کی شخصیت کو اس کی اہمیت کو اجاگر کرنے کیلئے اجتمعت الصحابہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔" جیسے جملے نقل کرتا ہے ۔اگر شیعہ رجال کی کتب کو سامنے رکھا جائے تو آپ دیکھیں گے مذکورہ جملے سے ملتا جلتا جملہ علامہ حلی نے خلاصۃ الاقوال میں عبداللہ بن بکیر کے ترجمے میں کشی سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے:

و قال فی موضع آخر: إن عبد اللہ بن بکیر ممن اجتمعت العصابۃ علی تصحیح مایصح عنہ وإقروا لہ بالفقہ[57]۔

شیخ طوسی ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: عبد اللہ بن بکیر ان افراد میں سے ہے جس پر صحابہ نے اتفاق کیا ہے کہ جو وہ درست نقل کرے وہ درست و صحیح ہے۔

جعفر بن حمزہ علوی سے متعلق اجتمعت العصابہ کا بیان کہاں سے آیا ہے؟ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں دخل و تصرف سے کام لیا گیا ہے چونکہ جعفر بن حمزہ علوی کے متعلق کشی کی کوئی عبارت مذکور نہیں ہے لیکن یہ مقولہ (اجتمعت ۔۔۔۔۔۔) علامہ حلی نے "خلاصہ الاقوال" میں عبداللہ بن بکیر کے ترجمے میں لفظ الصحابہ کی بجائے "العصابہ" رجال کشی سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: و قال الکشی..." یا علامہ حلی نے اسی سے مشابہ کلام ابو بصیر اسدی کے متعلق کشی کے حوالے سے اس طرح نقل کیا: إن إبا بصیر الأسدی إحد من اجتمعت العصابۃ علی تصدیقہ والإقرار لہ بالفقہ[58] ابو بصیر اسدی اس جماعت میں سے ایک ہے جس کی تصدیق اور فقہ پر اصحاب نے اجماع کیا ہے۔ یا "حماد بن عیسی إبو محمد جہنی بصری" کے متعلق علامہ حلی کشی کے ان الفاظ کو نقل کرتے ہیں: و قال الکشی: إجمعت العصابۃ علی تصحیح مایصح عنہ وإقروا لہ بالفقہ فی آخرین.[59] کشی کے

---

[57] حلی، خلاصہ الاقوال، ص۱۹۵، ش ۲۴، عبد اللہ بن بکیر۔

[58] حلی، خلاصہ الاقوال ص: ۲۳۴، ش: ۲۔

[59] حلی، خلاصہ الاقوال ص ۱۲۴، ش: ۲، حماد بن عیسی۔

بقول جماعت اس بات پر متفق ہے کہ اس سے صحیح نقل ہونے والی چیز صحیح ہے اور وہ آخرین میں فقہ کا ماہر تھا۔

- البتہ اجتمعت العصابہ کے الفاظ شیعہ علم رجال میں کشی سے ہی منقول ہیں۔[60]

نورالدین ایک بار پھر "جعفر بن حمزہ" کی مدح سرائی کرتے ہوئے اس کی شان بیان کرنے کیلئے ایک روایت اس طرح نقل کرتا ہے:

عن محمد بن قولویہ عن سعد بن عبد اللہ عن محمد بن عیسی عن احمد بن الولید عن علی ابن المسیب الھمدانی: قال قلت للرضا علیہ السلام شقتی بعیدۃ و لست واصل إلیک فی کل وقت فممن اٰخذ معالم دینی قال من جعفر بن حمزہ العلوی او من زکریا بن آدم الصمی المأمونین علی الدین و الدنیا و توفی ھو فی البغداد سنۃ بضع و عشرین و مائتین ودفن فی مقبرۃ القریش۔[61] علی بن مسیب ہمدانی کہتاہے کہ میں نے امام رضا کی خدمت میں عرض کیا میرا گھر یہاں سے بہت دور ہے لہٰذا میں ہر وقت سے آپ سے ملاقات نہیں کر سکتا ہوں پس مجھے کسی ایسے شخص کی راہنمائی فرمائیں کہ جس میں دینی علوم حاصل کر سکوں۔آپ نے فرمایا: جعفر بن حمزہ علوی یا زکریا بن آدم صمی (سے دینی مسائل حاصل کر لیا کرو کیونکہ) یہ دونوں دینی اور دنیاوی لحاظ سے مامون (محفوظ) ہیں اور جعفر بن حمزہ علوی دو سو دو بیس ہجری کے چند سال بعد بغداد میں فوت ہوااور مقبرہ القریش میں دفن ہوا۔

- قارئین کیلئے یہاں دلچسپ بات یہ ہے کہ نورالدین نے اس روایت میں زکریا بن آدم کو صمی کا رہنے والا ذکر کیا اور پھر اپنی اس بات کو پایۂ ثبوت تک پہنچانے کیلئے غیاث اللغات، کشف اللغات و ضروری اللمبتدی جیسی لغات سے ذکر کرتے ہوئے کہتاہے: صم بالکسر (صم ص کی زیر کے ساتھ) ایک شہر کا نام ہے جو اصفہان کے نزدیک واقع ہے۔جب غیاث اللغات نامی کتاب کو نورالدین کی بات کی تصدیق کیلئے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اسمیں اس جیسے کسی شہر کا نام نہیں آیاہے۔(دیگر دو لغات ہمارے پاس موجود نہیں ہیں جنہیں ہم دیکھ سکیں)
- حقیقت میں یہ روایت وہی ہے جسے شیخ طوسی نے اپنی کتاب اختیار معرفۃ الرجال میں ذکر کیا جسے رجال کشی کے نام سے جانا جاتاہے۔پھر اسے علامہ حلی نے خلاصۃ الاقوال میں یوں بیان کیاہے:

---

[60] اجتمعت العصابۃ: حلی، خلاصہ الاقوال: ص ۳۴، ۱۳۷، ۱۳۲، ۱۰۶؛ طوسی، رجال کشی: ج ا ص ۲۳۸۔ کتب رجال شیعہ میں "اجمعت العصابۃ" کے الفاظ کشی سے منقول ہیں۔

[61] زاد الاعوان ص ۸۶۔

و عن محمد بن قولويہ عن سعد بن عبد الله عن محمد بن عيسى عن احمد بن الوليد عن علی ابن المسيب الهمدانی قال قلّت للرضا عليہ السلام شقتی بعيدة و لست إصل إليک فی کل وقت فممن إخذ معالم دينی قال من زکريا بن آدم القمی المأمون علی الدين والدنيا۔ [62] علی بن مسيب امام رضا سے عرض کرتا ہے کہ میرا غریب خانہ یہاں سے دور ہے اور میرے لئے ہر وقت آپ سے رابطہ رکھنا مشکل ہے۔ پس آپ مجھے کسی ایسے شخص کی طرف راہنمائی کریں جس سے میں دینی معالم حاصل کر سکوں۔ آپ نے کہا: زکریا بن آدم سے حاصل کیا کرو وہ دنیاوی اور دینی لحاظ سے محفوظ ہے۔

- یہ روایت شیعہ مآخذوں میں صرف زکریا بن آدم قمی کیلئے نقل ہوئی ہے۔
- جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ شیعہ مکتب کی احادیثی اور رجالی کتابیں جعفر بن حمزہ علوی کے نام کے ترجمے یا حالات زندگی سے خالی ہیں۔ اس بات کے پیش نظریوں ظاہر ہوتا ہے کہ نورالدین نے زادالاعوان میں میزان قطبی، میزان ہاشمی اور خلاصہ الانساب کے حوالے سے جعفر بن حمزہ علوی کی شخصیت کو ثابت کرنے کیلئے روایت زکریا بن آدم قمی میں دخل و تصرف سے کام لیا اور اس روایت میں "جعفر بن حمزہ علوی" کے نام کا اضافہ کیا اور لفظ "المامون" کی بجائے "المامونین" کا اضافہ کیا ہے۔

ہمارے اس دخل و تصرف کے احتمال کی مزید تقویت اس وقت ہوئی جب ہم رجال کشی میں اس روایت کو ملاحظہ کرتے ہیں تو وہاں یہ روایت المامون علی الدین والدنیا پر ختم نہیں ہوتی بلکہ وہاں ان جملوں کا اضافہ موجود ہے: "قال علی بن المسيب: فلما انصرفت قدمت علی زکريا بن آدم فسألتہ عما احتجت إليہ." علی بن مسیب نے کہا: میں جب واپس آیا تو زکریا بن آدم کے پاس گیا اور جس چیز کی مجھے احتیاج تھی میں نے اس سے پوچھا۔

پس رجال کشی کے یہ اضافی جملے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ امام رضا نے علی بن مسیب کے جواب میں صرف ایک شخص کا تذکرہ کیا اور وہ زکریا بن آدم قمی تھا۔ لہٰذا روایت میں ردوبدل سے کام لیتے ہوئے اس میں ایک شخص کا اضافہ کیا گیا اور مامون کی جگہ مامونین (تثنیہ یعنی دو افراد کیلئے) ذکر کیا گیا ہے۔

---

[62] طوسی، رجال کشی ج ۲ ص ۸۵۸ ش ۱۱۱۲، ماروی فی زکریا بن آدم القمی۔ حلی، خلاصہ الاقوال ص: ۱۵۰ و ۱۵۱ ش ۴ زکریا بن آدم قمی۔

شاید یہی وجہ ہے کہ "جعفر بن حمزہ" کا شیعہ واہل سنت کی حدیثی اور رجالی کتب میں کسی قسم کا تذکرہ موجود نہ ہونے سے آگاہ ہونے کے بعد بعض اعوان حضرات اپنے نسب ذکر کرتے ہوئے جعفر بن حمزہ کا نام اپنے نسب سے حذف کرتے ہیں۔[۶۳]

جعفر بن حمزہ کے نام کو حذف کرنے والے احباب اگر تو یہ سوچتے ہیں کہ اس حذف کے ذریعے ہم نے شجرے کی تصحیح کی ہے تو ان سے یہ سوال پوچھا جانا چاہئے کہ اگر تو ان کے نزدیک حذف کی دلیل جعفر بن حمزہ کے نام اور حالات زندگی کا کتابوں میں مذکور نہ ہونا ہے تو عون اور یعلی کے نام کونسی معتبر و غیر معتبر حدیث، نسب اور رجال کی قدیمی کتابوں میں مذکور ہوا ہے کہ آپ نے اسے باقی رکھا۔ پس جس دلیل کی بنا پر جعفر بن حمزہ کا نام حذف کیا جانا چاہئے وہی دلیل عون اور اس کے باپ کے حذف کو ہی نہیں چاہتی بلکہ خود عون اور اسکے بیٹوں کے بغداد میں زندگی کے حالات، عبد القادر گیلانی کے کہنے پر ہند آنا، پھر انکی واپسی وغیرہ سب کو حذف کرنا چاہئے۔ نیز اپنے نسب ناموں سے جعفر بن حمزہ کے نام کا حذف اس بات کی دلیل ہی نہیں بلکہ ان افراد کو نور الدین ذکر کردہ مطالب پر اطمینان نہ ہونے کا قلبی یقین ہے۔ پس اس لئے یہاں ان حذف کرنے والوں سے کہنا چاہئے کہ وہ زاد الاعوان کی تمام منفرد مندرجات کو اپنی کتابوں کی زینت مت بنائیں یا انساب، تاریخ و حدیث کی کتب کا لحاظ کئے بغیر زاد الاعوان کا ذکر کردہ شجرہ من و عن کسی کانٹ چھانٹ کے بغیر ذکر کریں۔

علی بن جعفر[۶۴]

نور الدین میزان ہاشمی، میزان قطبی اور خلاصۃ الانساب سے نقل کرتا ہے:

علی بن جعفر العلوی کان من اصحاب محمد بن علی بن الموسی وامہ زینب بنت داوٗد بن قاسم بن اسحاق بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب سلام اللہ علیھم اجمعین کان تبحرا فی علوم کثیرہ مثل علم الکلام والفقہ واصول الفقہ والادب والنحو والشعر وغیر ذلک ولہ دیوان شعر یزید علی عشرین الف بیت ولہ مصنفات کثیرۃ وبکتبہ استفادۃ الامامیہ منذ زمنہ رحمۃ اللہ تعالی الی یومنا ھذا وھو رکنھم و

---

[۶۳] ربانی خلخالی، چہرہ درخشان قمر بنی ھاشم ج ۵ ص ۲۷۷ و ۲۷۸ نیز اسی کتاب میں دیکھیں: شجرہ مولوی حسام الدین ص ۲۸۰؛ شجرہ مولوی سید زین العابدین ص ۲۸۰ و وزیر حسین علوی ص ۲۷۸ و۔۔۔۔۔۔۔ یہاں اس کا ذکر ضروری ہے کہ نسل عباس کے دعویداران دو حصوں میں تقسیم ہوئے ہیں۔ پہلا گروہ وہ ہے جو اپنے نسب ناموں میں جعفر اور طیار کا ذکر نہیں کرتے ہیں۔ دوسرا گروہ زاد الاعوان کے اتباع میں زاد الاعوان کا نسب من و عن یعنی جعفر و طیار سمیت بیان کرتے ہیں۔

مولوی حسام الدین نے نسب الاعوان ص ۲۲ میں وہی شجرہ بیان کیا ہے جو زاد الاعوان میں نور الدین نے بیان کیا ہے۔ لیکن چہرہ درخشان قمر بنی ہاشم میں تحریف کی گئی اور اس میں بعض اسما حذف کئے ہیں جیسا کہ ہم اشارہ کر چکے ہیں۔ اس طرح کی تحریفیں اسی کتاب میں پاکستان کے دیگر چاپ شدہ شجروں میں کی گئی ہیں نیز اس سے بڑھ کر یہ کہ ملا نجف کرمانی کی کتاب خلاصہالانساب جو آج تک نہ چاپ ہوئی نہ کسی نے دیکھا نہ کسی نے اسے پڑھا لیکن تحریف کرنے والے نے بڑی ڈھٹائی سے اس میں لکھا ہے کہ ملا محمد نجف کرمانی نے اپنی کتاب خلاصہ الانساب میں لکھتا ہے: سید عون قطب شاہ بن یعلی بن ابی یعلی حمزہ ثانی کی ہند میں کثیر نسل موجود ہے۔

[۶۴] زاد الاعوان: ص ۸۸ تا ۹۰۔

معلمھم و توفی سنۃ خمسۃ و اربعین و مائتین من الھجرۃ (۲۴۵ھ) و دفن فی البغداد مقبرۃ القریش۔ مزید کہتا ہے کہ **میں نے شیعہ کتب کی فہرست میں اس کا نام "مفتاح کنز السعادت" مطبوعہ ایران کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کتاب کی قیمت چھ (٦) روپے لکھی ہوئی تھی اور "منصب امامت" مطبوعہ ایران بھی اسی کی تالیف ہے۔**

جیسا کہ جعفر بن حمزہ میں ذکر ہوا کہ وہ ایک ساختگی شخصیت ہے چونکہ اس کا نام شیعہ رجال وانساب میں مذکور نہیں ہے نیز اس کے علاوہ زکریا بن آدم قمی کی روایت میں دخل و تصرف بھی اس کا مؤید ہے۔ نورالدین نے علی بن جعفر کے متعلق جو کچھ میزان قطبی، ہاشمی و خلاصۃ الانساب سے نقل کیا وہ بھی قابل توجہ ہے مثلا جیسے "موسی" کی بجائے "الموسی" کا ذکر کرنا۔

زینب بنت داود بن قاسم

زاد الاعوان کے مطابق علی بن جعفر کی والدہ کا نام زینب بنت داوٗد کے عنوان سے انساب یا شیعہ رجال یا تراجم میں علی بن جعفر کی والدہ کے حوالے سے ذکر نہیں ہوا ہے کیونکہ ابن عنبہ نے قاسم کے سات اعقاب ذکر کئے لیکن ان میں داوٗد کا نام نہیں ہے۔[65] ایک اور جگہ قاسم کے بیٹے داوٗد کا نام آیا ہے[66] نیز دیگر مثلا سر السلسلہ العلویہ[67] میں بعنوان کبار علماء، رجال نجاشی[68]، رجال کشی[69]، خلاصۃ الاقوال[70] و.....[71] میں ایسے صحابی کے حوالے سے ذکر ہوا ہے جس نے چار آئمہ کے زمانوں کو درک کیا ہے نیز اس کے حق میں جلیل القدر والمنزلہ جیسی تعبیریں استعمال ہوئی ہیں لیکن رجال، نسب وغیرہ میں کسی جگہ اس کی بیٹی کا نام زینب نہیں آیا۔ سمعانی مروزی انساب میں، خطیب بغداد تاریخ بغداد، ابن داود اپنے رجال میں لکھتے ہیں وہ سامرا میں ۲۵۲ھ زندانی ہوا اور آخر کار جمادی الاولی سال ۲۶۱ھ میں فوت ہوا۔[72] جبکہ نورالدین نے اس کا سن وفات ۲۴۵ھ لکھا ہے۔

---

[65] ابن عنبہ، عمدہ الطالب ۴۰؛

[66] ابن عنبہ، عمدۃ الطالب ص ۱۵۸

[67] ابو نصر بخاری، سر السلسلہ العلویہ ۱۳؛

[68] نجاشی، رجال نجاشی ص۱۵۶ش ۴۱۱۔

[69] طوسی، رجال کشی ۸۴۱۔

[70] علامہ حلی، خلاصہ الاقوال ۱۴۲۔

[71] الفائق فی رواۃ وإصحاب الإمام الصادق (ع) - عبد الحسین الشبستری - ج ۲ - ص ۵۸۵. تنقیح المقال ۲ : قسم القاف : ۱۸ . خاتمۃ المستدرک ۸۳۶ . معجم رجال الحدیث ۱۴ : ۱۱ . نقد الرجال ۲۷۰ . جامع الرواۃ ۲ : ۱۵ . مجمع الرجال ۵ : ۴۳ . منہج المقال ۲۶۳ . إتقان المقال ۲۱۶ . الفصول الفخریۃ (فارسی) ۹۶ . منتہی المقال ۲۴۳ . الفخری فی إنساب الطالبیین ۱۹۰ . المجدی فی إنساب الطالبیین ۲۹۸۔

[72] سمعانی مروزی، الانساب ج ۲ ص ۶۷ در ذیل الجعفری۔ بغدادی، تاریخ بغداد ج ۸ ص ۳۶۵ ش ۴۴۷۱۔ ابن داود، رجال داود، ج ۱، ص ۴۰۶ ش ۹۴۔

پس شیعہ رجال ہو یا شیعہ حدیثی کتب ہوں ہر جگہ حضرت عباس کی نسل سے دو نام "محمد بن علی بن حمزہ یا علی بن حمزہ" مذکور ہوئے ہیں کسی جگہ "جعفر" کا نام علی کے باپ کے عنوان سے نہیں آیا ہے یہ بات بھی اس بات پر قرینہ بنتی ہے کہ جعفر کا بیٹا نہیں بلکہ علی حمزہ کا بیٹا ہے۔

زادالاعوان کے بیان سے یوں ظاہر ہوتا ہے اس نے علی بن جعفر کے حالات زندگی رجال وتراجم کی کتب دیکھے بغیر لکھے ہیں کیونکہ وہ اسے محمد تقی کے اصحاب سے شمار کرتا ہے۔

جبکہ رجالییوں میں سے نجاشی کے مطابق علی بن حمزہ اصحاب موسی ابن جعفر ہے[۷۳] اور وہ واسطے کے ذریعے حضرت امام جعفر صادق سے بھی روایت نقل کرتا ہے [۷۴] اگرچہ محدث نوری نے ایسی روایت کی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس نے حضرت امام علی بن موسیؑ سے بھی روایت نقل کی ہے [۷۵]۔

زینب بنت داؤد کے علی بن جعفر کی والدہ کے حوالے سے یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ شیعہ رجال میں یہ شخص چار اماموں امام رضاؑ، جوادؑ، ھادیؑ۔ عسکریؑ و امام زمان علیہم السلام سے روایت کرتا ہے۔

زادالاعوان کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ علی بن جعفر کثیر تصنیفات کا مالک تھا اور اس کی تصنیفات چھٹی صدی ہجری تک امامیہ میں مسلسل متداول اور رائج تھیں[۷۶]۔ زادالاعوان کا یہ ادعا محض دروغ گوئی پر مشتمل ہے۔ کیونکہ شیعہ رجال وتراجم میں اس کی ایک کتاب کی خبر تک نقل نہیں ہوئی چہ برسد کہ کہا جائے کہ دو صدیوں تک اسکی تصنیفات امامیہ میں رائج تھیں۔ نور الدین نے صرف اسی ادعا پر اکتفا نہیں کیا بلکہ وہ کہتا ہے میں نے شیعہ کتابوں کی فہرست کی کتابوں میں "مفتاح کنز السعادت اور منصب امامت" کے نام دیکھیں ہیں جو اسی علی بن جعفر کی لکھی ہوئی ہیں اور یہ دونوں کتابیں ایران میں طبع ہوئی نیز مضحکہ خیز بات یہ ذکر کی کہ ان میں سے ایک کتاب کی قیمت چھ (٦) روپے لکھی تھی کیونکہ آج تک کسی بھی دور میں ایران کی کرنسی روپیہ نہیں رہی۔

ضمناً مخفی نہ رہے کہ علامہ حلی نے خلاصۃ الاقوال ص۹۵ "علی بن الحسین علم الہدی" کے ترجمے میں یہ جملے نقل کئے ہیں: **مثل علم الکلام و الفقہ واصول الفقہ و الادب و النحو والشعر و غیر ذلک و لہ دیوان شعر یزید علی عشرین الف بیت و**

---

[۷۳] ابوالعباس نجاشی، رجال نجاشی ۲۷۲ ش ۱۴۔

[۷۴]

[۷۵] مرزانوری، مستدرک الوسایل ج٦ ص ۲۲۵۔ ایضاج ۲ ص ۵۵۔

[۷۶] لہ مصنفات کثیرۃ و بکتبہ استفادۃ الامامیہ منذ زمنہ رحمۃ اللہ تعالی الی یومنا (اسکی کثیر تصانیف تھیں اور ہمارے زمانے یعنی چھٹی صدی ہجری تک امامیہ ان کتابوں سے استفادہ کرتے آرہے ہیں۔

--------- له مصنفات كثيرة و بكتبه استفادة الامامية منذ زمنه رحمة الله تعالى الى يومنا هذا---- و هو ركنهم و معلمهم راذکر کردہ است۔ لہذا بعید نہیں کہ پہلے کی طرح یہاں پر بھی دخل و تصرف سے کام لیا گیا ہو۔

پس گذشتہ بحث کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ علی بن جعفر کے متعلق زاد الاعوان کے ذکر کئے گئے مطالب کسی بھی لحاظ سے قابل اثبات نہیں ہے لہذا ایسے مندرجات کو کیسے علمی دستاویز قرار دیا جا سکتا ہے۔

قاسم بن علی[77]

نورالدین میزان قطبی، میزان ہاشمی اور خلاصۃ الانساب کے حوالے سے کہتا ہے :

واما قاسم بن علی العلوی کان من اصحاب علی بن محمد الهادی وابنه حسن العسکری وابنه محمد المهدی الحجة القائم المنتظر صاحب سلام الله علیهم اجمعین وامه زینب بنت علی بن الحسین بن موسی بن ابراهیم بن جعفر بن محمد بن علی الحسین بن علی بن ابی طالب و هو شیخ اصحابنا و مقدمهم وله منزلة عظیمة کثیر الحدیث جلیل القدر۔[78]

قاسم بن علی علوی علی بن محمد ہادی، ان کے بیٹے حسن عسکری اور ان کے بیٹے مہدی کے اصحاب میں سے تھا۔ اس کی ماں کا نام زینب بنت علی بن الحسین بن موسی بن ابراهیم بن جعفر بن محمد بن علی الحسین بن علی بن ابی طالب تھا۔ قاسم بن علی ہمارے اصحاب کا بزرگ اور رئیس تھا۔ عظیم المنزلت، کثیر الحدیث اور جلیل القدر شخص تھا۔

ترجمۂ قاسم بن علی

شیعہ تراجم اور رجال کی کتابوں میں سے کسی نے بھی مستقیم طور پر اس کے حالات نہیں لکھے ہیں یہاں تک کہ شاہرودی نمازی کو "لم یذکروہ"[79] کہنا پڑا یعنی رجالیوں اور تراجم نگاروں نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ لیکن رجال کی کتب سے اس شخص کے وجود کو ثابت کیا جا سکتا ہے۔ مثلا ابو العباس نجاشی نے اپنی فہرست میں علامہ حلی نے خلاصۃ الاقوال میں کہا: حمزة بن القاسم بن علی بن حمزة بن ...... علی بن إبی طالب علیہ السلام"۔[80]

شیعہ کتب رجال سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک قاسم بن علی کے بیٹے کا نام ابو یعلی ہے جو حلہ کے نزدیک مدفون ہے۔ اور وہ قاسم کو اس حمزہ اکبر بن حسن بن عبید اللہ کی اولاد سے سمجھتے ہیں کہ جو شکل شباہت میں حضرت علی سے

---

[77] زادالاعوان ۹۰ تا ۹۴۔

[78] زادالاعوان ص ۹۰۔

[79] شاہرودی، علی نمازی، مستدرک علم رجال الحدیث، ج۶ ص ۲۵۱، ش ۱۱۷۷۰۔

[80] ابوالعباس نجاشی، رجال النجاشی ص: ۱۴۰ش ۳۶۴۔ رجال ابن داود ص : ۱۳۴ش ۵۲۱۔ علامہ حلی ، الخلاصۃ الاقوال ص : ۵۳۔

مشابہت رکھتا تھا نیز انساب کی بعض کتابوں کے محشین بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔[۸۱] سر السلسلہ العلویہ کے تعلیقے میں مذکور ہے : ابو القاسم حمزہ بن حسن بن عبید اللہ بن عباس کی اولاد میں سے علی بن حمزہ الفقیہ ہے اور اس بنا پر (عراق کے شہر) حلہ کے جنوب میں مدفون ابو یعلی (یعنی حمزہ بن القاسم بن علی) کا جد علی بن حمزہ بن حسن بن عبید اللہ بن عباس ہے۔ علامہ حلی نے بھی خلاصۃ الاقوال میں ص ۵۳ مطبوعہ حیدریہ نجف پر یہی نقل کیا ہے اور کہا ابو یعلی ہمارے اصحاب میں سے ثقہ جلیل القدر اور صاحب تصنیف تھا۔ واللہ العالم۔

جبکہ ابن عنبہ کی عمدۃ الطالب میں عبید اللہ (امیر قاضی حرمین) بن حسن بن عبید اللہ بن عباس کی نسل میں ایک نام محمد لحیانی مذکور ہے اور اس کے ایک بیٹے کا نام قاسم ذکر کیا اور کہا یہ امام حسن عسکری کے اصحاب سے تھا۔ ایران کے معروف ترین علم انساب کے ماہر شہاب الدین مرعشی مرحوم کے ہاتھ سے لکھے ہوئے حضرت عباس کے شجرۂ نسب میں عراق کے شہر حلہ کے نزدیک مدفون ابو یعلی (بن قاسم) کے باپ کا نام قاسم لکھا اور اسے محمد لحیانی کا بیٹا کہا ہے۔[۸۲]

پس اس لحاظ سے بعض کے نزدیک ابو یعلی بن قاسم (مدفون نزد حلہ) حمزہ بن حسن بن عبید اللہ کی نسل سے علی بن حمزہ کے پوتے ہیں اور بعض کے نزدیک وہ عبید اللہ (قاضی حرمین) کی نسل میں سے قاسم بن محمد لحیانی کے بیٹے ہیں۔

نورالدین نے اگرچہ قاسم بن علی کو امام علی نقی، امام حسن عسکری اور امام مہدی کا صحابی کہا لیکن ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں شیعہ کتب میں کہیں "قاسم بن علی" کا مستقل طور پر عنوان ذکر نہیں ہوا ہے۔ پس جب وہ مستقل طور پر کتب میں بیان نہیں ہوا تو اسے امام علی نقی، امام حسن عسکری اور امام مہدی کے اصحاب میں سے کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے۔

زینب بنت علی بن حسین بن موسی بن ابرہیم بن جعفر بن محمد بن علی الحسین بن علی بن ابی طالب کے نام سے کسی نے قاسم بن علی کی والدہ کا نام ذکر نہیں کیا ہے۔

نورالدین مزید لکھتا ہے :

---

[۸۱] ابو نصر بخاری، سر السلسلہ العلویہ ص: ۹۲ کا تعلیقہ ا۔

[۸۲] ابن عنبہ، عمدہ الطالب ص ۳۶۰ پس نسب: قاسم بن محمد لحیانی بن عبداللہ بن حسن بن عبید اللہ الامیر القاضی بن حسن بن عبید اللہ بن عباس بن علی ہے۔ شجرۂ دست نویس حضرت آقای شہاب الدین مرعشی مرحوم در تاریخ ۱۳۶۱ قم المقدسہ۔

قال فی میزان ہاشمی ، قطبی اور خلاصۃ: قال ابو محمد ہارون بن موسی کان القاسم بن علی العلوی کتب الی ابی الحسن العسکری (رض) یعرفہ انہ مایصح لہ حمل بولد یعرفہ انہ لہ حملایسئلہ ان یدعوالہ فی الصحیحہ وسلامتہ وان یجعلہ فصح العمل ذکرا نجیاًفکتب الحسن (رض) علی راس الرقعۃ بخط یدہ قد فعل ذلک فصح العمل ذکراو قال ہارون ابن موسی ارانی القاسم ابن علی الرقعۃ والخط وکان محققاو مات یوم الخمیس لاحدی عشرۃ لیلۃ مضت من جمادی الاخر سبۃ ثلثۃ وعشرین وثلثمائۃ ودفن فی البغداد فی مقبرۃ القریش۔

کہاابو محمد ہارون بن موسی نے کہ قاسم بن علی علوی نے یہ خط امام ابو محمد حسن عسکری کی طرف کہ آپ شناخت فرماویں کہ کیا میرے گھر حمل ہے یا نہیں اور دوسری شناخت فرماویں کہ کیا میرے گھر حمل لڑکی کا ہے یعنی بیٹی کا ہے یا بیٹے کا۔اور یہ بھی سوال کریں کہ مولا دے مجھ کو ولد اپنا صحت و سلامت میں اور وہ درآن حالیکہ پیدا کرے اسکو خدا تعالی بیٹا یعنی ذکور ہو۔پس جواب اسکا امام حسن عسکری نے اوپر اعلی رقعہ کے اپنے ہاتھ سے یہ لکھا کہ تحقیق کیا گیا یہ امر پس تمہارا حمل مذکر ہے اور کہا ہارون بن موسی نے کہ خود دیکھا ہے ہم نے وہ رقعہ وخط قاسم بن علی کا تھااور تھا وہ محقق اور فوت ہوا ہے روز خمیس یعنی جمعرات میں اور گیارھویں وہ رات تھی ماہ جمادی الاآخر ۳۲۵ ہجری قمری سے اور مقبرہ قریش واقعہ بغداد میں مدفون ہوئے۔[۸۳]

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ قاسم بن علی کے عنوان سے شیعہ رجال و تاریخ میں کسی نے حالات ذکر نہیں کئے اور نہ ہی زاد الاعوان میں مذکور حالات (تین آئمہ کے زمانے میں رہا، امام کو خط لکھا اور بغداد کے قبرستان میں دفن ہوا) کسی نے ذکر کئے ہیں۔ ہاں اس کا نام حمزہ ابویعلی کے عنوان میں باپ کی جگہ آیا ہے اور صرف اسی کے ذریعے قاسم بن علی کو ثابت کیا جا سکتا ۔انساب کی کتب سے ہم اسکی حقیقت اوپر بیان کر چکے ہیں۔

البتہ نورالدین کی قاسم بن علی کے حالات میں ذکر کردہ روایت کہ جس میں امام حسن عسکری کو خط لکھا گیا، کے بہت حد تک مشابہ ابو محمد ہارون بن موسی کی وہ روایت ہے جسے خلاصہ الاقوال میں علامہ حلی نے "ابو علی محمد بن ہمام" کے عنوان میں ذکر کیاہے اور ایساظاہر ہوتا ہے کہ اس روایت میں کچھ دخل و تصرف کے ساتھ کچھ اضافہ کیا گیاہے۔ جیسے ابو علی محمد بن ہمام کی جگہ "القاسم بن علی العلوی" اور اسی طرح چند کلمات کی کمی بیشی کے علاوہ روایت کا مضمون اور متن وہی ہے۔[۸۴]

---

[۸۳] زادالاعوان ص ۹۳، ۹۲۔

[۸۴] درخلاصہ الاقوال ۲۴۶ ش ۳۹ درذیل محمد بن ہمام بن سہل این طور آمدہ: قال ابو علی محمد بن ہمام کتب ابی إلی ابی محمد الحسن العسکری علیہ السلام یعرفہ إنہ ما صح لہ إن لہ حملا بولد و یعرفہ إنہ حملا و سألہ إن یدعو لہ فی تصحیحہ و سلامتہ و إن یجعلہ ذکرا نجیبا من موالیہم؟. فوقع علیہ السلام علی رإس الرقعۃ بخط یدہ قد فعل ذلک فصح الحمل ذکرا. قال ہارون بن موسی: إرانی ابو علی بن ہمام الرقعۃ و الخط و کان محققا و مات ابو علی بن ہمام یوم الخمیس بإحدی عشرۃ لیلۃ مضت من جمادی الاآخرۃ سبۃ ست و ثلاثین و ثلاثمائۃ و کان مولدہ یوم الإثنین لست خلون من ذی الحجۃ سبۃ ثمان و خمسین و مائتین.

پس نتیجے میں کہا جاسکتا ہے کہ نورالدین نے جو کچھ قاسم بن علی کے بارے میں ذکر کیا اس میں سے صرف قاسم بن علی نام کی حد تک شیعہ رجال میں مذکور ہے دیگر سب کچھ کسی بھی جہت سے قدیمی اور مصدری کتابوں سے تائید نہیں ہوتا ہے۔

طیار علوی شخص واقعی یا خیالی

نورالدین نے زادالاعوان میں قاسم بن علی کے ایک بیٹے کا نام طیار بن قاسم علوی ذکر کیا اور اس کے حالات لکھے ہیں۔ انہیں بھی حسب سابق میزان قطبی، میزان ہاشمی اور خلاصۃ الانساب سے اس طرح نقل کرتا ہے :

اما الطیار بن القاسم العلوی کان امہ حمیدہ بنت عبد اللہ بن داود بن ذکریا بن اسمٰعیل بن الفضل بن یعقوب بن الفضل بن عبداللہ بن الحارث بن نوفل بن عبدالمطلب بن ہاشم و ہو شیخ الامامیہ و رئیس الطائفہ جلیل القدر عظیم المنزلتہ عارف بالاخبار والرجال والفقہ و الاصول و الکلام و الادب و جمیع الفضائل تنسب الیہ و صنفہ فی کل فنون الاسلام و ہو المہذب للعقائد فی الفروع و الاصول الجامع بکمالات النفس فی العلم والعمل و توفی سبۃ ثلثین و ثلثمائۃ من الہجرۃ و توفی فی البغداد و دفن فی مقبرہ القریش۔

اما الطیار بن قاسم علوی تھا۔ نام اس کی والدہ کا بی بی حمیدہ۔ اور وہ دختر عبداللہ بن داؤد بن ذکریا بن محمد بن اسماعیل بن فضل بن یعقوب بن فضل بن عبداللہ بن حارث بن نوفل بن عبدالمطلب بن ہاشم ہے اور وہ شیخ امامیہ یعنی اہل شیعہ کا ہے اور رئیس شیعہ کے فرقہ علوی کا بھی تھا۔ وہ جلیل القدر عظیم المرتبت تواریخ و اسماء الرجال اور فقہ اور اصول کلام اور ادب جانتا تھا۔ اور سب فضائل اسکی طرف نسبت دئے گئے ہیں اور اس نے اسلام کے سب فنون میں کتابیں تصنیف کی ہیں اور اسکا عقائد میں فروع واصول کے مہذب اعتقاد تھا۔ اور کمالات نفس کے علم و عمل میں جامعیت تھی۔ اور وہ فوت ہوا ۳۳۰ ہجری میں اور وفات ہوئے بغداد میں اور وہاں دفن کیا گیا قریش کے مقبرہ میں۔[۸۵]

ترجمۂ طیار علوی

طیار علوی کے ترجمے سے یوں ظاہر ہوتا ہے طیار ایسی شخصیت ہے جس کے ذکر کے بغیر مذہب شیعہ کی شناخت ممکن نہیں ہے بلکہ مذہب تشیع کی بقا اسی کی مرہون منت ہے اور وہ اپنے زمانے کا نابغہ زمان تھا۔ نیز وہ ایک ایسی شخصیت ہے کہ ہر شیعہ نے اور خاص طور پر تمام شیعہ علما اس کے وجود سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ لیکن جب شیعہ کتب رجال وتراجم کی کتب کی ورق گردانی کرتے ہیں تو وہاں اس نام کے کسی شخص کی دور دور تک کوئی خبر نہیں ہے بلکہ اسی طرح دیگر وہ تمام علوم جن کا ذکر نور

---

[۸۵] زادالاعوان ۹۵،۹۴۔

الدین نے کیا کسی علم میں کسی ایسے شیعہ شخص کی کوئی تالیف یا تصنیف موجود نہیں ہے حتا کہ ایک حدیث یا ایک ضعیف و جعلی قول کی حد تک کسی نے اس سے منسوب کوئی بات نقل نہیں کی ہے۔ اگر نور الدین کے بقول اس نے ہر اسلامی فن میں کوئی ایک کتاب لکھی تھی تو پھر ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ وہ صرف تشیع کی ہی ایک بنیادی اور علمی شخصیت ہی نہ تھی بلکہ اس کے تذکرے تو شیعوں کے علاوہ اہل سنت اور دیگر مذاہب کے علما کی زبان زد عام ہوتے۔ لیکن ہم تو دیکھتے ہیں کہ کسی شیعہ سنی یا دیگر اسلامی مذہب سے متعلق علما نے ایک حرف تک نہیں کہا ہے۔ پس ان معروضات کے پیش نظر کہنا چاہیئے طیار بن قاسم علوی کی شخصیت ایک واقعیت کی بجائے افسانوی خیال سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

البتہ اگر ہم تراجم ورجال کی کتب دیکھیں تو ایسا تعارف علامہ حلی نے خلاصۃ الاقوال میں شیخ طوسی علیہ الرحمہ کا کرواتے ہوئے کہا ہے:

"إبو جعفر شیخ الإمامیۃ قدس اللہ روحہ رئیس الطائفۃ جلیل القدر عظیم المنزلۃ ثقۃ عین صدوق **عارف بالأخبار والرجال والفقہ و الأصول و الکلام و الأدب و جمیع الفضائل تنسب إلیہ صنف فی کل فنون الإسلام و ہو المہذب للعقائد فی الأصول و الفروع و الجامع لکمالات النفس فی العلم والعمل** وکان تلمیذ الشیخ۔۔۔۔۔۔۔"[۸۶]

ابو جعفر محمد بن حسن بن علی طوسی شیخ امامیہ، شیخ الطائفہ، جلیل القدر، عظیم المرتبت، ثقہ عین صدوق ہیں؛ وہ تاریخ، رجال، فقہ، اصول اور کلام اور ادب کو جاننے والے ہیں؛ تمام فضائل ان سے منسوب ہیں؛ انہوں نے تمام فنون اسلامی آثار چھوڑے، وہ اصول و فروع میں عقائد کی تہذیب کرنے والے اور وہ شیخ مفید کے شاگرد رشید تھے۔ انکی ۳۰ عدد سے زیادہ تالیفات ہیں جن میں سے کئی ایسی تالیفات ہیں جو شیعہ مذہب کی بنیادی اور اصیل کتابیں مانی جاتی ہیں۔۔۔۔۔

شجرۂ طریقت طیار علوی

طیار کے حالات بیان کرنے کے بعد نور الدین آخر میں لکھتا ہے:

اب فقیر نور الدین کہتا ہے کہ طیار کے اباؤ اجداد کی صحبت آئمہ اثنا عشریہ کے ساتھ قدیم سے چلے آئے تھے۔ جیسا مفصل گذر گیا ہے لیکن طیار کی صحبت میزان ہاشمی، میزان قطبی وخلاصۃ الانساب سے ثابت نہیں لہذا شجرۂ طریقت پیران طریقت طیار کا اثبات کو نہیں پہنچا۔[۸۷]

---

[۸۶] علامہ حلی، خلاصہ الاقوال ص ۲۴۹ ش ۷۴، محمد بن الحسن بن علی الطوسی۔

[۸۷] زاد الاعوان ۹۶۔

یہ پہلی مرتبہ ہے کہ نور الدین نے کہا کہ شجرہ طریقت میزان ہاشمی،.... سے ثابت نہیں ہوتا ہے۔اس سے پہلے کسی جگہ شجرۂ طریقت نقل کرتے ہوئے اس نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔ یہاں ان کتابوں کا نام لے کر ذکر کرنا اس بات پر قرینہ بن سکتا ہے کہ پہلے جتنے طریقت کے شجرے ذکر کئے وہ اس کے بقول میزان ہاشمی وغیرہ سے ہیں۔

شجرۂ طریقت نام کی کوئی اصطلاح مذہب تشیع کی اصیلی اور قدیمی کتب میں دیکھنے کو نہیں ملتی ہے اور نہ ہی اس مذہب کے علما اسے کسی قسم کی اہمیت دینے کے قائل ہیں یہی وجہ ہے شیعہ مسلک کی رجال و تراجم کی کتب اس نام سے خالی ہیں۔ البتہ تصوف اور عرفان[88] کے علوم میں بعض اوقات شریعت ، حقیقت اور طریقت دیکھنے کو ملتے ہیں لیکن وہاں بھی " شجرۂ طریقت " کا بیان دیکھنے کو نہیں ملا ہے۔ واللہ اعلم۔

شجرۂ طریقت کے ذکر سے پتہ چلتا ہے کہ نور الدین یہ بیان کرنا چاہتا ہے کہ میزان قطبی ، میزان ہاشمی اور خلاصۃ الانساب تصوف کے پابند اور سنی العقیدہ تھے کیونکہ اہل سنت تصوف کے قائلین شجرۂ طریقت اپنی تالیفات اور وعظوں میں بیان کرتے ہیں۔ نور الدین کے ان تین کتابوں سے مختلف جگہ پر منقول بیانات میں یکسانیت نہیں پائی جاتی ہے کسی جگہ ان تین کتابوں سے ایسی عبارتیں نقل کرتا ہے کہ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مذہب تشیع کی ماننے والے مثلا ص ۹۰: "الحجۃ القائم المنتظر صاحب الزمان سلام اللہ علیہم اجمعین " اور اسی طرح ص ۸۸ : امہ زینب بنت ..... یہاںتک کہ کہا : بن ابی طالب سلام اللہ اجمعین نیز چند سطر بعد ان تینوں کی طرف سے نقل کرتا ہے : ہو شیخ اصحابنا جبکہ اہل سنت قائل ہیں عامہ قائل ہیں حضرت ابو طالب نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ خود ہی ص ۳۳ پر ابو طالب کا کفر نقل کیا نیز ص ۸۱ :.... اختصاص بموسی الکاظم سلام اللہ علیہ ؛ یہ تمام تعبیریں ان تین کتابوں کے مؤلفین کے شیعہ ہونے کو بیان کرتی ہیں۔ دوسری جانب عون کے حالات میں مذکور بیانات کا لہجہ اہل سنت ہونے کا بیان گر ہے۔

ایسے تضادات یا اس جیسے تضادات کو دیکھتے ہوئے بعض مؤلفین معتقد ہیں کہ یہ تینوں کتابیں وجود خارجی نہیں رکھتی ہیں بلکہ نور الدین نے اپنے مطالب ان ساختگی اور جعلی کتابوں کے نام سے بیان کئے ہیں۔[89] اگر ہم اس نظر کو قبول نہ بھی کریں تو اس قسم کے تعارضات اور تضادات کم سے کم اس کتاب کی علمی حیثیت کو مخدوش کرتے ہیں اور اس کتاب سے نسب و تاریخ

---

[88] http://goo.gl/JCJxrg.

[89] تاریخ علوی اعوان ص ۳۸ تا ۵۶؛ ملک شیر محمد اعوان ، تاریخ الاعوان؛ محمد ھاشم الدین ، حقیقت الاعوان فی آل حبیب الرحمٰن۔ نقل از بحوالہ تاریخ علوی اعوان۔

جیسے اہم موضوع میں اس کی ارزش کو کم کرتے ہیں اور صرف اس کتاب کے منقول مطالب پر انحصار کر کے اعتقاد رکھنا علمی میزان کے مطابق نہیں ہے۔

بہر حال طیار علوی میں نور الدین کے ذکر شدہ مطالب رجال و حدیث کے منابع سے کسی چیز کو ثابت نہیں کیا جا سکتا اور اس شخصیت کے وجود خارجی کے اثبات کیلئے ناکافی ہیں لہٰذا ممکن ہے کہ اسے ایک خیالی شخصیت سے کہا جائے۔ (واللہ العالم)۔

حمزہ ثانی علوی

نور الدین اس شخصیت کے حالات زندگی میزان قطبی، ہاشمی اور خلاصۃ الانساب سے اس طرح نقل کرتا ہے:

اما الحمزۃ بن الطیار بن القاسم العلوی کان اوثق اہل زمانہ عند اصحاب الحدیث و غیرہم و امہ فاطمہ بنت اسد الفاروقی کان یصلی کل یوم خمسین ومائۃ رکعۃ و یصوم فی السنۃ ثلاثۃ اشہر و یخرج زکواۃ مالہ کل سنۃ ثلاث مراۃ وذلک لانہ لمامات والدہ لزم علی نفسہ ان یصلی عنہما ویزکی عنہما ویحج عنہما ویصوم عنہما وکل شیئ من البر والصلاح یفعلہ لنفسہ یفعلہ عنہما وکانت لہ منزلۃ من الزہد والعبادۃ و ولد سنہ اثنتین و ثلث مائۃ ومات لیلۃ الجمعۃ لسبعۃ خلون من المحرم سنۃ نیف و تسعین ثلث مائۃ ودفن فی البغداد وفی مقبرۃ القریش۔

حمزہ بن طیار بن حمزہ نزد اصحاب حدیث و غیرہ کے بڑا معتبر تھا اور اسکی والدہ فاطمہ بنت اسد فاروقی تھی۔ وہ ہر روز ایک سو پنجاہ رکعت نماز پڑھتا تھا۔ ہر سال تین ماہ روزہ رکھتا، زکواۃ سال میں تین ماہ نکالتا تھا اور یہ اس لئے کرتا تھا کہ جب والدین اسکے فوت ہوگئے تب اس نے اپنے نفس پر لازم کر لیا کہ ان دونوں ماں باپ کی طرف سے نماز پڑھے اور زکات دونوں کی طرف سے ادا کرے اور دونوں کی طرف سے حج کرے اور دونوں کی طرف سے روزہ رکھے اور وہ ہر شئ نیک جب اپنے نفس کے لئے کرتا تھا تو دوبارہ اسکو ماں اور باپ کی طرف سے بھی کرتا تھا اور اسکے لئے منزلت زہد و عبادت میں اور وہ پیدا ہوا ۳۰۲ ہجری قمری میں شہر بغداد میں اور وفات پائی اس نے رات ساتویں ماہ محرم میں اور ۳۹۰ ہجری قمری سے کچھ زیادہ تھے۔ یعنی ۹۰ پر کچھ افزودگی ہے اور مدفون ہوا بغداد کے مقبرہ قریش میں۔[90]

- حمزہ بن قاسم کا نام شیعہ رجال میں موجود ہے اور اس کے لئے ترجمہ ذکر ہوا ہے اور اس کے حق میں ثقۃ (موثق) جلیل القدر من إصحابنا (ہمارے اصحاب میں جلیل القدر) کثیر الحدیث اور صاحب تالیف جیسی تعبیریں اس کے لئے استعمال ہوئی ہیں۔[91] اس کا سن پیدائش اور سن وفات معلوم نہیں ہے لیکن

---

[90] زاد الاعوان ۹۷۔

[91] رجال النجاشی ص : ۱۴۰، - ۳۶۴: حمزۃ بن القاسم بن علی بن حمزۃ بن الحسن بن عبید اللہ بن العباس بن علی بن إبی طالب [علیہ السلام] إبو یعلی ثقۃ جلیل القدر من إصحابنا کثیر الحدیث. لہ کتاب من روی عن جعفر بن محمد علیہ السلام من الرجال و ہو کتاب حسن و کتاب التوحید و کتاب الزیارات و المناسک کتاب الرد علی محمد بن الأسدی. إخبرنا الحسین بن عبید اللہ قال: حدثنا علی بن محمد القلانسی عن حمزۃ بن القاسم بجمیع کتبہ . رجال الطوسی ص : ۴۲۲، - ۲۵ - ۶۰۹۰: حمزۃ بن القاسم یکنی إبا عمر

اس سے روایت کرنے والوں اور جن سے یہ روایت کرتا ہے، اس سے اسکی ولادت و وفات ایک تخمینے کے طور پر بیان کی جا سکتی ہے۔ پس اس بنا پر حمزہ بن قاسم سعد بن عبد اللہ اشعری متوفی ۳۰۱ھ [92] و حسن بن متیل [93] وغیرہ سے روایت نقل کرتا ہے نیز علی بن محمد قلانسی وابو محمد ہارون بن موسی تلعکبری متوفی ۳۸۵ھ اس سے روایت نقل کرتا ہے [94]۔ نمازی شاہرودی نے مستدرک علم رجال حدیث میں کسی مستند کے ذکر کے بغیر کہا کہ وہ ۳۳۹ھ میں زندہ تھا۔[95]

- سعد بن عبد اللہ اشعری کے سال وفات کو دیکھتے ہوئے ممکن نہیں ہے کہ حمزہ کی پیدائش کا سال ۳۰۲ھ ق ہو جیسا کہ نور الدین نے کہا ہے۔
- نور الدین نے اگرچہ میزان قطبی و ہاشمی اور خلاصۃ الانساب کے حوالے سے اس کے حالات لکھے ہیں لیکن یہ حالات شیعہ تراجم و رجال کی کتابوں میں مذکور نہیں ہیں البتہ اس سے ملتے جلتے حالات شیعہ تراجم اور رجال میں صفوان بن یحییٰ کے حالات ملتے ہیں۔ علامہ حلی خلاصۃ الاقوال میں لکھتے ہیں :

" صفوان بن یحییٰ ابو محمد البجلی : مولی بنی بجیلۃ بیاع السابری کوفی. قال الشیخ الطوسی [رہ] : **إنہ اوثق اہل زمانہ عند اصحاب الحدیث وغیرہم وکان یصلی کل یوم خمسین ومائۃ رکعۃ ویصوم فی السنۃ ثلاثۃ اشہر ویخرج زکاۃ مالہ کل سنۃ ثلاث مرات** وذلک إنہ اشترک ہو وعبد اللہ بن جندب وعلی بن النعمان فی بیت اللہ الحرام وتعاقدوا جمیعا : إن من مات منہم یصلی من بقی صلاتہ ویصوم عنہ ویزکی عنہ مادام حیا. فمات صاحباہ وبقی صفوان بعدہما وکان یفی لہما بذلک **فیصلی عنہما ویحج عنہما ویزکی عنہما ویصوم عنہما وکل شیء من البر والصلاح یفعلہ لنفسہ کذلک یفعلہ۔۔۔۔۔۔۔۔ وکانت لہ منزلۃ من الزہد والعبادۃ۔**[96] صفوان بن یحییٰ ابو محمد بجلی بنی بجیلہ کا غلام ہے اس کے بارے میں شیخ طوسی نے کہا : اصحاب حدیث وغیرہ کے نزدیک اپنے زمانے کا موثق ترین شخص تھا۔ وہ ہر شب و روز میں ۱۵۰ رکعت نماز پڑھتا تھا۔ سال میں تین مہینے روزے سے ہوتا سال میں تین مرتبہ زکات نکالتا۔ وہ (ایک سال) بیت اللہ میں عبد اللہ بن جندب اور علی بن نعمان کے ہمراہ حج میں شریک ہوا اور انہوں

(عمرو) ہاشمی عباسی روی عنہ التلعکبری .الخلاصۃ للحلی ص : ۵۳، - ۳حمزۃ بن القاسم بن علی بن حمزۃ بن الحسن بن عبد اللہ بن عباس بن علی بن ابی طالب ع ابو یعلی ثقۃ جلیل القدر من اصحابنا کثیر الحدیث لہ کتاب من روی عن جعفر بن محمد من الرجال.

[92] رجال النجاشی ص : ۱۷۸۔ نیز با قیل ۲۹۹ھ و رجال ابن داود ۳۰۰ھ ہم ذکر کردہ است۔

[93] حسن بن میتل : صدوق، الخصال ص ۵۴۲۔ سعد بن عبد اللہ : حاکم حسکانی، شواہد التنزیل ۲ ص ۳۵۸؛ شیخ طوسی، فہرست، ۴۲۴۔

[94] تاریخ علم رجال ۶۵/۱/۱۵۔

[95] نمازی شاہرودی علی، مستدرک علم رجال حدیث ج۳، ص۲۸۔

[96] حلی خلاصہ الاقوال ۱۷۰۔

نے خانۂ کعبہ میں باہمی عہد کیا کہ ان میں سے جو بھی فوت ہوا تو زندہ رہنے والا جب تک زندہ رہے گا وہ مرحوم کی طرف سے نمازیں پڑھے گا،اس کی طرف سے حج وزکات ادا کرتا رہے گا؛ پس اس کے دونوں ساتھی اس سے پہلے فوت ہوگئے اور صفوان باقی رہ گیا۔ پس صفوان ان دونوں کی طرف سے نمازیں پڑھتا،ان کی طرف سے روزے رکھتا،ان کی طرف سے حج ادا کرتا اور ان کی طرف سے زکات ادا کرتا بلکہ ہر وہ اچھا کام جو وہ اپنے لئے انجام دیتا وہ اسی طرح ان مرحومین کیلئے بھی انجام دیتا۔۔۔۔ وہ زہد و عبادت میں اسکے لئے مقام تھا۔

- قابل توجہ یہ امر ہے کہ نور الدین حمزہ بن طیار کی والدہ فاطمہ بنت اسد فاروقی کا شجرہ نقل کرتا ہے اور کچھ جگہیں خالی چھوڑتا ہے۔اس کی توضیح میں کہتا ہے کہ میں نے فاطمہ بنت اسد فاروقی کا شجرہ تلاش کرنے کی بہت کوشش و جستجو کی لیکن میں اسے تلاش کرنے میں ناکام رہا۔مزید لکھتا ہے کہ لیکن شجرے کا نہ ملنا اس بات کا موجب نہیں بنتا ہے کہ اس کا شجرہ نہ لکھا جائے کیونکہ فاطمہ بنت اسد کا شجرہ قطعی ہے اور پایۂ اثبات کو پہنچا ہوا ہے لہٰذا شجرے کے ذکر سے پس و پیش کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ پس میں اسے ذکر کرتا ہوں جو اسما نہیں ملے ہیں ان کی جگہیں خالی چھوڑتا ہوں ۔ لہٰذا نور الدین فاطمہ بنت اسد فاروقی کا شجرہ حضرت عمر بن خطاب سے شروع کر کے کعب تک لکھتا ہے لیکن جالب یہ ہے کہ اس میں کہیں اسد کا نام ذکر نہیں کیا۔

یعلی بن حمزہ العلوی

اس کے حالات میزان ہاشمی و میزان قطبی اور خلاصۃ الانساب سے ان الفاظ میں نقل کرتا ہے :

اما یعلی بن حمزہ العلوی وھو المشھور بالقاسم وامہ خدیجۃ بنت ابراھیم الصدیقی وکان شاعرا فاضلا عالما ورعا عظیم شان رفیع المنزلۃ وکان سمع الحدیث ولہ کتب کثیرۃ فی الامامیۃ وغیرھا وکان لہ ولد العون وھو جد الاعوان وولد یعلی خمسۃ وثمانین وثلاثۃ وتوفی سنۃ ثلاثۃ وسبعین واربع مائۃ من الھجرۃ ودفن فی البغداد فی مقبرۃ القریش۔[۹۷]

[۹۷] زاد الاعوان ۱۰۰۔

یعلی بن حمزہ علوی قاسم کے نام سے مشہور تھا اس کی والدہ کا نام خدیجہ بنت ابراہیم صدیقی تھا۔ وہ ایک عالم، فاضل اور شاعر تھا، عظیم الشان اور رفیع المنزلت کا حامل اور سامع الحدیث تھا؛ امامیہ اور غیر امامیہ میں کثیر التصنیف تھا۔ اس کا بیٹا عون تھا جو اعوان قوم کی جد ہے۔ یعلی ۳۸۵ھ ق میں پیدا ہوا اور ۴۷۳ھ ق میں فوت ہوا اور وہ مقبرہ قریش میں مدفون ہے۔

- عربی رسم الخط کے مطابق "کان لہ ولد العون" درست نہیں ہے مگر یہ کہ کہا جائے کہ عون ولد سے بدل ہے۔
- شیعہ رجال و تراجم میں کہیں قاسم کے نام سے مشہور یعلی بن حمزہ کے حالات مذکور نہیں ہیں اور نہ ہی یہ نام شیعہ احادیث کی کتب میں مذکور ہوا ہے۔ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ حمزہ بن قاسم کی کنیت ابو یعلی تھی اسے دیکھتے ہوئے یعلی کے حالات لکھے گئے ہیں۔
- نور الدین نے حمزہ ثانی کے میزان قطبی و میزان ہاشمی اور خلاصہ الانساب سے حالات نقل کرتے ہوئے کہا کہ حمزہ ۳۰۲ھ ق میں پیدا ہوا اور یہاں یعلی کا سال پیدائش ۳۸۵ھ ق لکھا ہے۔ اس حساب سے یعلی کی پیدائش کے وقت یعلی کا سن ۸۳ سال تھا۔ یہ ایک قابل توجہ بات ہے۔

پس شیعہ رجال و تراجم اور احادیث کی کتب کو دیکھتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ یعلی بن حمزہ (مشہور قاسم) نام کی کسی شخصیت کے وجود کا اثبات کرنا مشکل امر ہے۔

عون بن یعلی

نور الدین نے ایک باب کو اس نام: باب چہارم در ذکر اولاد اعوان قطب شاہی کے نام سے عنوان کیا ہے۔ اس باب میں عون اور اسکی اولاد کا ذکر کیا ہے۔ اس کے اہم مندرجات: عون بن یعلی اپنے دو فرزندوں: عبداللہ بن عون اور محمد بن عون کے ہمراہ ہندوستان آیا اور کفار سے جنگی فتوحات میں کامیابیاں حاصل کیں۔ اس دوران یہاں چار شادیاں کی جن سے کثیر اولاد پیدا ہوئی۔ کچھ عرصہ یہاں رہنے کے بعد وہ عراق کے شہر بغداد واپس چلا گیا۔ وہیں فوت ہوا لیکن اس کے دو بیٹے کچھ عرص زندہ رہنے کے بعد وہ بھی بغداد میں فوت ہوئے اور اپنے باپ کے ساتھ بغداد کے مقبرۂ قریش کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

اس باب کی معلومات کا ماخذ وہی تین کتابیں: میزان ہاشمی و میزان قطبی اور خلاصۃ الانساب ہیں:

واما عون بن یعلی بن حمزہ بن الطیار العلوی وھو المشھور یعلی بن قاسم و عبد العلی و عبد الرحمٰن و ابراھیم و قطب شاہ و یکون فی زمن السلف اسم و لقب و کنیۃ و تخلص و امہ فاطمہ بنت محمد بن داود بن قاسم بن عبداللہ بن محمد بن علی بن حمزہ بن حسن بن عبیداللہ بن عباس بن علی بن ابیطالب و ولد العون فی البغداد سنۃ تسعۃ عشر واربع مائۃ من الھجرۃ (۴۱۹ھ) و ھو کان حسن الخاطر

دقیق الفطبۃ حاضر الجواب و شیخ اصحابنا و مقدمھم ولہ منزلۃ عظیم فی الامایۃ واحتل[۹۸] و اضطراب فی مذھبہ باغواء عبد القادرر الجیلی (رض) لانہ کان زوج خالتہ عائشۃ و قال اصحابہ فی ثنائہ حین اختیار العون مذھبہ ھو شیخ اھل السنۃ و الجماعۃ و رئیس ھذا الطائفۃ جلیل القدر عظیم المنزلۃ قطب الزمان فی الطریقۃ و صاحب العرفان فی الحقیقۃ عظیم الشان فی الشریعۃ و سافر الی الھند و اقام ھنا فتزین الناس ببرکتہ نفسہ الشریفۃ بالایمان والاسلام فکانہ کان قطبا من جانب الشیخ عبدالقادر جیلانی علی الھند فلھذا اشتھر لقبہ فیہ بہ "قطب شاہ" واشتھر اولادہ فیہ باسمہ اعوان۔"[۹۹]

عون بن یعلی بن حمز بن طیار علوی جو یعلی بن قاسم، عبد العلی، عبد الرحمٰن، ابراہیم، اور قطب شاہ کے نام سے مشہور تھا ۔گذشتہ زمانے میں اسم، لقب اور کنیت ہوتی تھی۔اسکی ماں کا نام فاطمہ بنت محمد بن داود بن قاسم بن عبداللہ بن محمد بن علی بن حمزہ بن حسن بن عبیداللہ بن عباس بن علی بن ابیطالب تھا۔اس کی پیدائش ۴۱۹ ھ ق کو بغداد میں ہوئی۔وہ ایک حسن خاطر، کمال کا دانا، حاضر جواب تھا؛ ہمارے اصحاب کا شیخ، ان کا پیشوا اور امامیہ میں عظیم منزلت کا مالک تھا۔عبد القادر گیلانی کی وجہ سے اس میں مذہبی اضطراب پیدا ہوا کیونکہ وہ اس کی خالہ کا شوہر تھا۔عون نے جب عبد القادر گیلانی کا مذہب اختیار کر لیا تو اسکے اصحاب نے اس کی مدح میں کہا: اہل سنت و الجماعت کا شیخ، اہل سنت طائفہ کا رئیس، جلیل القدر، عظیم المرتبت، طریقت میں قطب زمان، حقیقت میں صاحب عرفان، شریعت میں عظیم الشان تھا۔اس نے ہند کا سفر کیا اور وہاں قیام کیا اور لوگوں کو اپنے نفس شریف کی برکت سے ایمان اور اسلام سے مزین کیا گویا وہ شیخ عبد القادر جیلانی کی جانب سے ہند میں قطب تھا۔اسکی اولاد ہند میں اعوان کے نام سے مشہور ہوئی۔

اس سے پہلے بارہا مرتبہ یہ بات واضح ہو چکی کہ نور الدین کی طرف سے ذکر ہونے والے کسی بھی شخص کے حالات زندگی ابھی تک کسی سنی اور خاص طور پر شیعہ کتابوں سے تائید نہیں ہو سکے ہیں۔ یہاں بھی گذشتہ سے بہتر حال نہیں ہے۔ بہر حال اس نے یہاں بھی انہی مذکورہ تین کتابوں کے حوالے سے ہی کہا ہے۔

عربی متن کے لحاظ سے یعلی بن قاسم درست نظر نہیں ہونا چاہئے کیونکہ نور الدین کے بقول یعلی بن قاسم عون کا نام نہیں ہے بلکہ عون کے باپ کا نام ہے اور اردو ترجمے میں عون کا نام علی بن قاسم کہا ہے۔ بہر حال یہاں عربی و ترجمے میں باہمی

---

[۹۸] یہاں یہ لفظ نہیں پڑھا جا سکا لیکن ایک اور جگہ یہی عبارت نقل ہوئی اور وہاں احتل ہے۔

[۹۹] زاد الاعوان ۱۰۳ و ۱۰۴۔

مطابقت نہیں ہے اور یعلی بن قاسم کا ہونا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ نور الدین اس سے پہلے خود حمزہ کے بیٹے کا نام یعلی ذکر کر چکا ہے اور ساتھ کہا ہے کہ اس کا مشہور نام قاسم تھا۔ لہٰذا عبارت میں اضطراب پایا جاتا ہے۔

- کثرت اسما کی دلیل ذکر کرتے ہوئے کا اس زمانے میں عام طور پر ایک شخص کیلئے تخلص، نام کنیت وغیرہ ہوتی تھی لیکن مشہور ناموں میں کنیر مذکور نہیں ہے جبکہ عربوں تخلص و لقب کی بجائے کنیت زیادہ رائج ہے اور کنیت عام طور پر ام، اب، ابن، بنت، خالہ، عمۃ وغیرہ سے شروع ہوتی ہے ان میں سے کوئی بھی ذکر نہیں ہوئی ہے۔[100]
- جالب یہ ہے کہ عون کیلئے تین کتابوں کے حوالے سے چند نام ذکر کئے ہیں لیکن ان میں سے ایک نام بھی شیعہ کتابوں میں یعلی کے بیٹے کے طور پر ذکر نہیں ہوا ہے۔
- انساب کی کتب میں بھی کسی جگہ عون کا ذکر نہیں ملتا ہے۔ بلکہ ابھی تک قدیمی اور اصیلی نسب، عربی و فارسی تاریخ کی کتب ہوں چاہے وہ اہل سنت مؤلفین کی تالیف ہو یا شیعہ مؤلفین کی ہوں کسی جگہ ایسے عون کا نام نہیں لیا گیا جو حضرت عباس کی نسل سے یعلی کا بیٹا ہو۔
- مدعیان نسل حضرت عباس کی زاد الاعوان کی تالیف کے بعد سے لے کر آج تک کی تلاش، کوشش اور جستجو کو دیکھتے ہوئے اطمینان کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ چودھویں صدی ہجری سے پہلے حضرت عباس بن علی نسل سے کسی ایسے عون بن یعلی کا تذکرہ نہیں ملتا کہ جو پہلے شیعہ ہو پھر عبد القادر کی تبلیغات کے بدولت اہل سنت مذہب اختیار کرے اور پھر ہند آئے، بغداد واپس جا کر فوت ہوا ہو وغیرہ۔

زاد الاعوان میں اس کی وفات کی خبر میزان قطبی، میزان ہاشمی و خلاصۃ الانساب سے اس طرح منقول ہوئی:

ومات العون قدس سرہ فی البغداد حین یرجع الیہ من الھند بلیلۃ الجمعۃ لثلث خلون من شھر رمضان سبۃ ستۃ و خمسین و خمس مائۃ من الھجرۃ (۳ر رمضان ۵۵۶ھ) و دفن فی البغداد فی مقبرہ القریش و (دود کان امام العرفاء) تاریخۃ و قال البعض (کان کام العرفاء) تاریخ الارتحال ای کالشیخ عبد القادر الجیلی۔[101] ہندوستان سے بغداد واپس جا کر عون جمعہ کی رات کو فوت ہوا جو ۵۵۶ھ ق کی ۳ر رمضان سے مصادف تھی۔ اسے بغداد میں مقبرہ قریش کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ نیز اس کی تاریخ وفات اس جملے میں مذکور ہے

- نور الدین کی ذکر کردہ پیدائش (۴۱۹ھ و فات (۵۵۶ھ ق) کے مطابق عون نے ۱۳۷ سال کی عمر پائی۔ دوسری طرف تاریخی شہادتوں کے مطابق عبد القادر جیلانی متولد ۴۷۰ھ یا ۴۷۱ھ

---

[100] سیوطی، جلال الدین، ہمع الھوامع فی شرح جمع الجوامع ج ا ص ۳۸۳؛ ابن ہشام، اِوضح المسالک إلی اِلفیۃ ابن مالک، ا ص ۱۳۳؛ نجار عبد العزیز، ضیاء السالک إلی اِوضح المسالک، ج ا، ص ۱۲۹۔

[101] زاد الاعوان ۱۰۹۔

میں پیدا ہوا اور متوفی ۵۶۱ھ [۱۰۲] ہے اور وہ اٹھارہ سال کے آس پاس بغداد آئے۔ایک نقل کے مطابق جیلانی ۴۸۸ھ [۱۰۳] میں بغداد آئے۔ پس اس بناپر عون بن یعلی ۶۹ سال مذہب امامیہ پر باقی رہا۔ کیا یہ عجیب نہیں کہ ایک شخص ۶۹ سال تک صرف مذہب امامیہ کا صرف پابند ہی نہیں بلکہ وہ شیخ امامیہ ، منزلت عظیم اور جلیل القدر جیسی صفات کا حامل ہو لیکن اس کا ذکر نہ تو کسی امامیہ کی کتاب میں آئے اور نہ ہی اس کا ذکر کوئی اہل سنت مؤرخ محدث یا انساب کا عالم کرے اور پاکستان کا ایک شخص صرف تین مجہول الحال تین کتابوں کے حوالے سے اس کے حالات زندگی ذکر کرے۔ یہ امور عون بن یعلی کے قضیے کو حقیقت کا روپ دینے کی بجائے اسے مشکوک بناتے ہیں۔

- نورالدین کے بقول عون بن یعلی عبدالقادر جیلانی کی طرف سے قطب تھا اور پھر وہ بغداد میں واپس بھی آیا۔اس بیان کی روشنی میں کہنا چاہیئے کہ عون کے قطب ہونے کی وجہ سے مکتب تصوف میں اسے ایک بلند مقام کا حامل ہونا چاہیئے۔ پھر یہی شخص جب بغداد واپس جاتاہے تو اس میں درج ذیل ایسی خصوصیات موجود ہیں جو اس زمانے میں عبد القادر جیلانی صاحب کے کسی مرید میں موجود نہ ہوں پہلی بات تو یہ تھی کہ بقول نور الدین وہ امامیہ مسلک کا رہبر و رئیس ہوتے ہوئے اہل سنت مذہب اختیار کرتا ہے،دوسری بات یہ کہ وہ اپنے زمانے کا قطب ہے اور یہ تصوف کا اعلی ترین مرتبہ ہے تیسری یہ کہ اس کے ہاتھوں پاک و ہند میں لاکھوں ہندوؤں اور غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا ہے لہٰذا ان وجوہات کی بناپر چاہیئے تو یہ تھا کہ اس کا تذکرہ زبان زد عام ہوتا اور اسکی وفات کے موقع پر عبد القادر جیلانی صاحب کی جانب سے کسی قسم کا رد عمل ظاہر ہوتا جبکہ وہ اس کی وفات کے چند سال بعد تک زندہ رہے اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ شاید عون ان سے دور ہوں کیونکہ نور الدین ہی انکے فرزندوں کے بارے میں لکھتاہے کہ وہ اس کے دربانی کے فرائض انجام دیتے رہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عون واسکے فرزند جیلانی صاحب کے کافی نزدیکی تھے۔ پس تصوف و تاریخ کی دنیا میں ایسی اہم شخصیت کی موت پر جیلانی صاحب کا کسی قسم کا عکس العمل کا ذکر نہ ہونا بھی عون کے معاملے کو واقعیت سے دور لے جاتاہے۔

- (دود کان امام العرفاء) یا (کان کام العرفاء) : ان دو جملوں کو نور الدین عون بن یعلی کی تاریخ وفات [۱۰۴] کے عنوان سے ذکر کرتاہے۔ جبکہ صورت حال یہ ہے کہ اگر ان دونوں جملوں کے اعداد کو

---

[۱۰۲] حنبلی سلامی، ابن رجب، طبقات الحنابلہ ج ۲ ص ۱۸۹۔ بعضی ھا ۴۹۰ھ یا ۴۹۱ھ ھم نقل کردند وسال درگذشت او ابن جوزی ۵ یا ۶ ربیع الثانی ۵۶۱ھ نقل شدہ۔ طبقات حنابلہ ۲ ص ۲۰۶۔

[۱۰۳] ذھبی، تاریخ الاسلام ج ۳۹ ص ۹۲۔

[۱۰۴] پاک وہند کی بعض تالفات میں دیکھنے کو ملتاہے کہ جب کسی شخصیت کا انتقال ہوتا تو شعراو غیرہ اس کے سن وفات کے حوالے سے مرثیہ وغیرہ کہتے تو میں ایک ایسا مصرع ہوتا کہ اگر اس مصرع کے الفاظ کے حروف ابجد کے عدد نکالیں جائیں تو ان کا مجموعہ مرحوم کے سن وفات کے مطابق ہوتا تھا۔

جمع کیا جائے تو ان میں سے کسی کا بھی مجموعہ سن وفات کے مطابق نہیں ہے کیونکہ پہلے جملے کے کل عدد ۵۵۰ اور دوسرے کے ۵۱۵ بنتے ہیں۔ اولا۔ ثانیا: اگر یہی جملے تاریخ وفات نکلتے ہیں تو اسکا مطلب ہوا کہ عون کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے جبکہ نورالدین نے کسی جگہ اس اختلاف کو ذکر نہیں کیا۔ ثالثا: عربی رجال وتراجم کی کتب میں اس طرح تاریخ وفات ذکر کرنے کا رواج نہیں ہے۔ البتہ اردو کی بعض کتابوں میں یہ روش دیکھنے کو ملتی ہے۔

عون کا قطب ہونا اور اس کا سفر ہند

زاد الاعوان کے ص ۲۵ پر میزان قطبی و میزان ہاشمی کے حوالے سے مذکور ہے : **"عون نے عبدالقادر جیلانی سے قادریہ طریقت اخذ کیا اور قطب کا لقب پا کر ہند کا سفر اختیار کیا اور یہاں ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔**

پھر ص ۱۰۴ پر لکھتا ہے: عون نے ہندوستان کا سفر کیا لوگوں نے اس کی برکت سے اسلام قبول کیا پس گویا عون شیخ عبد القادر کی جانب سے قطب تھا اسی وجہ سے اسے یہاں قطب شاہ مشہور ہوا۔ اسکے بعد ترجمے میں تصریح کرتا ہے کہ اکثر کفار وغیرہ نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اسی سبب سے اسے قطب کا لقب دیا گیا اور وہ قطب شاہ مشہور ہوا گویا وہ شیخ عبدالقادر جیلانی کی طرف سے اس ملک میں قطب تھا کہ جس کی برکت سے خلقت نے اسلام قبول کیا۔

پھر ۱۰۷ پر لکھتا ہے: پس ثابت ہوا کہ عون نے طریقت شیخ عبدالقادر جیلانی سے دریافت کی۔ شیخ عبدالقادر سے قادری سلسلے کی خلافت حاصل کرنے کے بعد ہند گیا چونکہ عون شیخ عبدالقادر کی طرف سے قطب ہند مقرر ہونے کے بعد ہند آیا نیز انہوں نے اس سے فیض حاصل کیا لہٰذا ہند میں وہ "قطب شاہ" معروف ہوا۔"

- نورالدین کی مختلف مقامات پر عبارتوں میں موجود ناہم آہنگی سے چشم پوشی کرتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ مسلک تصوف میں قطب ہونا ایک بہت بڑا مقام ہے[105] ایسے عظیم مقام پر فائز شخص کا تاریخ سے پوشیدہ رہ جانا نہایت بعید نظر آتا ہے جبکہ ہند کا یہ قطب زمان تاریخ سے مخفی رہا یہاں تک کہ چودھویں صدی اس کی قطبیت زاد الاعوان میں ظاہر ہوئی۔

---

[105] ابن عربی، الفتوحات مکیہ: ابن عربی درباره قطب بعض باب راعنوان کرده از این معلوم می شود در این مسلک قطب بودن قدر اہمیت دارد۔ رک: الفتوحات المکیہ ج ۴ ص ۴۷ بہ بعد و ۱۰۰ و ۱۰۲ و۔۔۔۔۔

- مزید تعجب آور یہ ہے کہ عون صرف قطب زمان نہ تھا بلکہ نور الدین کے مطابق ہزاروں لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی تھی صرف بیعت ہی نہیں کی بلکہ اس کی چند بیویاں بھی یہاں کی ہندو قوم سے تھیں۔ اسکے ذکر کے باقی رہنے کی اتنی ساری مناسبتیں اور اسباب یہاں موجود تھے لیکن اس کے باوجود وہ چودہ صدیوں تک فراموشی میں رہا پھر اچانک چودھویں صدی میں اس کا ظہور ہوتا ہے۔
- خاص طور اعوان قوم اس پر مصر ہے کہ ہم شروع سے ہی اپنے اسلاف کے محافظ ہیں اور ابتدا سے ہی اپنی شادی کی رسموں میں مرتاان اسلاف کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہونے کے باوجود عون قطب زمان ہند نظروں سے اوجھل رہا۔ جبکہ یہ بھی کہنا ممکن نہیں کہ اس کے لئے تقیہ کا زمانہ رہا ہو کیونکہ نور الدین کے بقول وہ ایک کامیاب راہنما تھا جس کی بدولت ہزاروں لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ پس تقیے کا عذر بیان کے ذریعے اس کے مخفی ہونے کا عذر نہایت ہی سست اور نا قابل قبول ہے۔
- تعلیمات تصوف کی بنا پر ایک زمانے میں ایک قطب ہوتا ہے جیسا کہ ابن عربی نے اس کی طرف اشارہ کیا لہٰذا اس جہت کے پیش نظر نور الدین ایک زمانے میں دو قطبوں کا قائل ہوا ہے جو قابل گرفت اعتراض ہے۔
- جیسا کہ مکتب تصوف میں شجرہ طریقت بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے اس کی مزید تاکید زاد الاعوان کے مندرجات سے ہی ہو جاتی ہے کہ اس میں اول کتاب سے لے کر آخر کتاب تک ہر شخصیت کا علیحدہ عنوان سے شجرہ طریقت لکھا گیا ہے۔ یہ سب کچھ تصوف میں طریقت کی اہمیت کو اجاگر کرنے کیلئے کافی ہے۔ بہر حال یہ شخص شیخ جیلانی کی طرف سے بعنوان "قطب" منتخب ہوا یا اس نے ہند میں اسی نام سے شہرت پیدا کی (چنانچہ نورالدین نے ذکر کیا) عجیب ہے اس کے توسط سے ہزاروں افراد اس کے وسیلے سے مسلمان ہوئے لیکن کسی نے اسکی بیعت نہیں کی اور نہ ہی اس سے کسی نے طریقت اخذ کی حالانکہ تصوف کے مسلک میں سب سے پہلا کام بیعت کا ہے۔
- نیز قابل توجہ بات یہ ہے کہ وہ اعوان جو کہ خود حضرت عباس کی نسل سے ہونے کے مدعی ہیں وہ خود بھی تصوف میں اعوان کی معروف شخصیات کا تذکرہ کرتے ہیں، اس میں بھی کہیں کسی ایسے عون کا ذکر نہیں ملتا جو حضرت عباس کی نسل سے ہو اور اگر کسی نے ذکر کیا ہے تو وہ بھی اسی زاد الاعوان اور باب الاعوان کے حوالے سے ہی ہوا ہے۔

یہ تمام امور یا اس جیسے دیگر امور اس عون بن یعلی کے وجود کو حقیقت و واقعیت سے دور اور ایک افسانوی شخصیت کے قریب کرتے ہیں۔ نیز اس کے مؤید نور الدین کے زاد الاعوان اور باب الاعوان کے بعض مقامات پر وہ بیانات ہیں جن میں نور الدین نے اعوان قوم کی شاخوں کے ایران یا دیگر ممالک میں پائے جانے کا تذکرہ کیا ہے۔ کیونکہ اس کے ادعا کے مطابق عون کے مستقیم فرزند کی اولاد دیگر ممالک میں پائی جاتی ہے۔ جبکہ اس کتاب کی تاریخ تالیف سے پہلے اور نہ ہی ان دو کتابوں کی تالیف کے بعد ابھی تک کوئی ایسی موثق خبر موجود نہیں جس سے اس بات کا عندیہ ملتا ہو کہ یعلی کے کسی بیٹے کی اولاد ایران یا کسی عرب ملک میں پائی جاتی ہو۔ اطمینان سے کہا جا سکتا ہے کہ ان کتابوں کی تالیف سے پہلے لکھی جانے والی انساب کی کتابیں اس سے خالی ہیں جبکہ ان کتابوں میں حضرت عباس کی اولاد کا تذکرہ ہی صرف موجود نہیں بلکہ ایران و عرب میں ان علاقوں کے نام مذکور ہیں جہاں حضرت عباس کی نسل مستقر ہے اسی سلسلے میں آپ اس دور کے معروف و مشہور ایرانی نسابہ آیت اللہ مرعشی کے ہاتھ کا لکھا ہوا حضرت عباس کی نسل کا شجرہ ملاحظہ کریں اس میں کئی ایران و عرب علاقوں میں اس نسل کے افراد کا تذکرہ مقامات کے نام کے ساتھ موجود ہے۔ مثلاً کہتے ہیں: دمشق میں محمد لحیانی کی اولاد سے داؤد اور اس کی، اسی کی نسل میں سے طاہر کی نسل جحفہ، مدینہ، شیراز اور شام میں، حیدر بن حمزہ کی نسل رملہ میں ہے۔

لیکن نور الدین مصر ہے کہ اس کی نسل صرف پاکستان میں ہی نہیں بلکہ اسکی نسل ایران اور عرب میں گئی اور انکی کثیر نسل زندگی بسر کر رہی ہے۔[106]

- قابل توجہ یہ امر ہے کہ آج تک ایران کے کسی علاقے سے کسی نے عون بن یعلی کی نسل سے ہونے کا ادعا نہیں کیا اور اسی طرح نہ ہی کسی نے بغداد سے نور الدین کے ذکر کردہ عون یا اسکے بیٹے کی نسل سے ہونے کا دعوا کیا جبکہ نور الدین کے مطابق عون اور اس کے دو بیٹے واپس بغداد چلے گئے۔ عون وہیں فوت ہو کر مقبرہ قریش میں دفن ہوا اور اس کے بیٹے عون کے بعد زندہ رہے۔[107]

---

[106] زاد الاعوان ۱۱۸۔ عون کے فرزندوں کے ذکر کے کہتا ہے: للکل اعقاب کثیرہ واولادہ منتشرۃ۔۔۔ بعضھا فی العرب و بعضھا فی الایران و غیر ذلک۔۔۔۔

[107] زاد الاعوان ۱۲۳۔

جیسا کہ اس سے پہلے اشارہ ہو چکا کہ نور الدین کی زاد الاعوان لکھنے کے بعد اعوان قوم واضح طور پر دو حصوں میں بٹ گئی ایک حصہ محمد حنفیہؒ کی نسل سے اور دوسرا حصہ حضرت عباس کے بیٹے عون بن یعلی کی نسل سے ہونے دعویدار ہوئے ۔دو حصوں میں بٹنے کے باوجود دونوں فریق ایک شخصیت قطب شاہ پر متفق ہیں کہ یہ ان کا جد اعلی ہے جس کی نقل اعوان کہلاتی ہے لین اس فرق کے ساتھ کہ حضرت عباس والے قطب شاہ اسی عون بن یعلی کو کہتے ہیں جو انکے بقول عباس بن علی اولاد سے تھا اور وہ بغداد سے اٹھ کر ہند آیا۔چونکہ عون بن یعلی کا وجود ابھی تک کتب انساب، رجال و حدیث وغیرہ سے کسی بھی جہت سے حتا کہ ایک مجہول دھندلکے کی حد تک بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا ہے جس کی بنا پر اس نسل کے مدعیان اس کے وجود خارجی کو ثبوت کرنے کیلئے صرف فرضیات کی بنا پر مختلف قسم کے نظریات پیش کرتے چلے آرہے ہیں تاکہ کسی نہ کسی طرح اس شخص کو وجود خارجی بخشا جا سکے لیکن وہ سب اس سے غافل ہیں کہ ایسے حالات میں جس قدر فرضیات یا خیالی مفروضوں پر باتیں کی جائیں یا لکھی جائیں وہ کسی بھی مسئلے کو سلجھانے کی بجائے مزید مشکوک و افسانوں کے قریب کرتی ہیں جس کے نتیجے میں ممکن ہے کہ ان کے ایسے سچ جو ایک مدت تک کسی حد مانے جاتے ہوں وہ بھی ان مفروضوں کی بنا تشکیک کا شکار ہو جاتے ہیں۔قطب شاہ کو عون بن یعلی بنانے کیلئے جو ابھی تک کسی حد مرز کا لحاظ کئے بغیر جو کوششیں ہوئی ان کی ایک جھلک عصمت اللہ کے ڈاکٹریٹ کے پنجابی مقالے "نوشہ گنج حیاتی فکرتے فن"[108] میں دیکھی جا سکتی ہے۔وہ مقالہ بعد میں کتابی صورت میں چھپا۔ عصمت اللہ زاھد قطب شاہی کے متعلق لکھتے ہیں:

"کسی نے لکھا اس کا نام عبد العلی[109] تھا، کسی نے کہا: اسکا نام عون قطب شاہ[110] تھا، کسی نے نقل کیا : وہ میر حیدر[111] ہے کوئی اسے قطب الدولہ[112] ذکر کرتا ہے۔ کسی نے کہا وہ بغداد سے ہند آیا[113]، کوئی اسے فارس[114] آنے والا کہتا ہے، کوئی لکھتا ہے وہ سلطان محمود غزنوی کے ساتھ غزنی[115] سے آیا۔ کسی نے ظاہر کیا کہ وہ تو امام باقرؑ کا بھائی اور فرقہ اسماعیلیہ کا بانی تھا[116]۔ کسی

---

[108] قابل توجہ یہ نکتہ ہے محمد بن حنفیہؒ کے دعویدار اعوان، نوشہ گنج بخش کے متعلق مدعی ہیں کہ وہ نسل محمد بن حنفیہؒ سے ہے اور نسل حضرت عباس کے دعویدار مدعی ہیں کہ وہ از نسل عباسؑ ہے ہر دو طائفے فخر ساتھ اپنی تالیفوں میں فخریہ اپنے اسلاف میں لکھتے ہیں۔ لیکن عصمت اللہ زاہد نے اپنے تھیس میں دونوں طائفوں کے ادعا کو عمیق تحقیق کی بنیاد پر جھٹلایا ہے بلکہ اس نے ثابت کیا ہے کہ نوشہ گنج بخش عرب ہی نہیں تھا بلکہ ہندی تھا۔

[109] برق نوشاھی شجرہ شریف نوشاھی ۱۰۔ (منقول از کتاب "حضرت نوشہ گنج بخش ۴۳)۔

[110] شرافت نوشاھی، شریف التواریخ ج ا ص ۹۱۷۔ (منقول از کتاب "حضرت نوشہ گنج بخش ۴۳)۔

[111] شیر محمد خان، تاریخ الاعوان ص ۲۴۔ (منقول از کتاب "حضرت نوشہ گنج بخش ۴۳)۔

[112] ایضاً ۱۵۱۔ (منقول از کتاب "حضرت نوشہ گنج بخش ۴۳)۔

[113] شرافت نوشاھی، شریف التواریخ ج ا ص ۹۱۷ شجرہ شریف نوشاھی ۱۰۔ (منقول از کتاب "حضرت نوشہ گنج بخش ۴۳)۔

[114] ھنومان پرشاد، تاریخ مخزن ھند ص: ۲۱۹۔ (منقول از کتاب "حضرت نوشہ گنج بخش ۴۳)۔

[115] ھنومان پرشاد، تاریخ مخزن ھند، ص ۲۴۔ (منقول از کتاب "حضرت نوشہ گنج بخش ۴۳)۔

نے یوں وضاحت کی کہ وہ بغداد سے اپنی بیوی اور دو بیٹوں کے ساتھ ہند آیا یہاں رہا، شادیاں کیں اور پھر واپس بغداد جا کر فوت ہو گیا، کوئی اسے اولاد حضرت عباس[117] سے کہتا ہے اور کوئی اسے اولاد امام حنیف[118] میں سے سمجھتا ہے، کسی نے اسے امام زین العابدین کی نسل سے کہا[119] کسی نے اس کے حضرت عباس کی نسل ہونے سے انکار کیا[120]۔"[121]

مذکورہ اقوال کے اگر مستندات پر نگاہ دوڑائی جائے تو ان میں سے کوئی بھی مستند قدیمی شمار نہیں ہوتا کہ جس بنا پر کسی حد تک اس پر اطمینان کیا جا سکے بلکہ ان میں اکثر مستندات تیرھویں صدی ہجری کے آخر یا اس کے بعد کے ہیں مثلاً شرافت نوشاہی کی پیدائش ۱۹۰۷عیسوی اور وفات ۱۹۸۲عیسوی،[122] برق نوشاہی پیدائش ۱۹۲۴/۰۸/۰۷عیسوی اور وفات ۱۹۸۵/۰۴/۰۲ عیسوی[123]، ملک محبت حسین معاصر وغیرہ پس ایسے مستندات کی روشنی میں کسی قدیمی شخصیت کے وجود کو ثابت کرنا نہایت مشکل امر ہے۔

پس ایک جانب عربی و فارسی زبان میں تحریر شدہ معتبر قدیم یا جدید، رجال و تراجم، روائی ہوں یا انساب سے متعلق ہوں ان میں کسی جگہ عون بن یعلی کا تذکرہ موجود نہیں ہے۔ دوسری جانب تیرھویں صدی سے پہلے اردو مصادر و مآخذ بھی اس سلسلے میں خاموش نظر آتے ہیں۔ ہاں چودھویں صدی کے آخر میں زاد الاعوان ایک ایسا پہلا اثر ہے جس میں پہلی مرتبہ عون بن یعلی کا ذکر تو ہوا لیکن یہ ایک ایسی کتاب ہے جو تحقیق اور علمی قواعد کے اصولوں کو مدنظر رکھ کر تالیف نہیں ہوئی ہے۔ اس بنا پر زاد الاعوان کو علمی و تحقیقی معیار کی کتاب نہیں سمجھا جا سکتا ہے۔ نیز قطب شاہ کے متعلق تیرھویں صدی کے آخر میں میں لکھے جانے والے مستندات میں ضد و نقیض اقوال کی روشنی میں اتنی آسانی سے اس بات کو قبول نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت عباس کی نسل میں سے عون بن یعلی نامی شخص بغداد سے اپنے بیٹوں کے ہمراہ ہند آیا ہو اور کچھ عرصہ رہنے کے بعد دوبارہ بغداد چلا گیا ہو وغیرہ جانا وغیرہ (واللہ العالم)۔

---

[116] مخزن تاریخ ۲۱۹۔ (منقول از کتاب "حضرت نوشہ گنج بخش ۴۳)۔

[117] شرافت نوشاھی، شریف التواریخ ص ۹۱۷۔ (منقول از کتاب "حضرت نوشہ گنج بخش ۴۳)۔

[118] تحقیق الاعوان ۱۶۵؛ تاریخ الاعوان ص ۲۵۔ (منقول از کتاب "حضرت نوشہ گنج بخش ۴۳)۔

[119] برای تفصیل رک: سید غلام حسین شاہ، سیرۃ الاولیاء۔ (منقول از کتاب "حضرت نوشہ گنج بخش ۴۴)۔

[120] برای تفصیل رک: نجم الحسن کراروی، ذکر العباس۔ (منقول از کتاب "حضرت نوشہ گنج بخش ۴۴)۔

[121] منقول از کتاب "حضرت نوشہ گنج بخش ص ۴۳ و ۴۴۔

[122] http://www.lib.ir/Libview/DocView.aspx?did=HPABHNnWwKBKNnHPHBHPZHPWwWwzXBK
http://www.nosabooks.com/WebUI/book.aspx?simorgh=۱&marckey=۱۱۲۳۶۱۹&marckind=۳
http://bio-bibliography.com/authors/view/۶۸۰۳

[123] http://bio-bibliography.com/authors/view/۸۷۰۸

عبداللہ گوڑاعلوی قادری

زادالاعوان میں میزان قطبی، میزان ہاشمی اور خلاصۃ الانساب کے حوالے سے نظر لکھتا ہے:

اما عون بن عبداللہ العلوی کان امہ عائشۃ وھو لعبدالقادر الجیلی خالتہ وھوالمعروف فی الھند گورر ابن قطب شاہ ولہ منزلۃ فی الامامیہ لکنہ احتل واضطراب فی مذھبہ باغواء عبدالقادر الجیلی لانہ کان ابن خالتہ عائشۃ واختار مذھب اھل السنۃ والجماعۃ حین اختیار العون والدہ ویکون فی زمن السلف اسم و لقب وکنیۃ و تخلص وکان ھو احمر اللون و سافر الی الھند من البغداد حین سافر العون الیہ و اقام ھنا ویجعل القتال بالھنود فتزین ببرکتہ نفسہ الشریفۃ بالایمان والاسلام۔ واما لقبہ الھنود بہ لکونہ احمر اللون مجاھدا۔۔۔۔۔ تصغیر گورا بمعنی الاحمر وھذا محاورۃ فی الھند وھو الصحیح و قیل انہ ولد فی الھرات۔۔۔۔۔ فسماہ گوھر علی وھو محرفہ وھو اکبر اولادہ و کان اولا مومنا لہ صحبۃ بعض اصحابنا ثم صار باغواء عبدالقادر من توابعہ کابیہ۔

اما عبداللہ بن عون علوی تھے۔ والدہ اسکی بی بی عائشہ اور بی بی عائشہ عبدالقادر جیلانی کی خالہ تھی یعنی ہمشیرہ جسکو اہل ہند ماسی کہتے ہیں۔ اور وہ ہندوستان میں مشہور گورڑا پسر قطب شاہ ہے اور تھے بیچ زمانے پہلے کے اسم و لقب و کنیت و تخلص اور اسکا بڑا قدر تھا مذہب شیعہ میں لیکن خلل و اضطراب پیدا ہو گیا آخر اسکے مذہب میں ساتھ اغوائے عبدالقادر جیلانی کے کیونکہ عبداللہ ان کا پسر خالہ تھا۔ بی بی عائشہ سے اور اختیار کیا عبداللہ نے مذہب اہل سنت و جماعت کا جبکہ اختیار کیا عون باپ اسکے نے اور تھا سیاہ رنگ اور سفر کیا اس نے طرف ہند کی بغداد سے جب کہ سفر کیا عون نے طرف اسکی اور قیام کیا اس جگہ اور قتال یعنی جہاد کیا اس نے ساتھ ہنود کے پس آراستہ ہوئے لوگ ساتھ برکت نفس شریف کے ایمان و اسلام میں۔ اور وجہ تسمیہ گورڑا کی اسطرح ہے کہ اس لفظ کے ساتھ اہل ہنود نے اسکا لقب رکھا۔ کیونکہ رنگ اوسکا سیاہ تھا اور وہ ان کے ساتھ لڑائی کرتا تھا۔ اور وہ تصغیر لفظ گورا کی ہے جسکا معنی سیاہ ہے اور یہ محاورہ ہند میں تھا کہ گورا سیاہ رنگ کو کہتے تھے۔ اور یہی وجہ تسمیہ گورڑا کی صحیح ہے۔ اور بعضوں نے اسطرح کہا کہ وہ ہرات پیدا ہوا گوہر علی اوسکا نام رکھا گیا۔ اور گوہر علی کی تحریف ہو کر گورڑا بن گیا اور وہ عون کی سب اولاد سے بڑا تھا۔ پہلے مومن تھا بہ سبب صحبت اصحاب شیعہ کے۔ پھر بہ سبب صحبت و اغواء عبدالقادر اہل سنت و جماعت ہو گیا۔[۱۲۴]

نور الدین یہاں میزان قطبی و ہاشمی و خلاصۃ الانساب سے عبداللہ کی تاریخ ولادت نقل نہیں کرتا ہے بلکہ ایک عربی کتاب بنام " ایضاح العباد فی تاریخ مشائخ البغداد مطبوعہ اسلام بول باب معاصرینِ عبد القادر جیلانیؒ، تالیف میر خلیل بن عبدالمہیمن ہمدانی " سے یوں نقل کرتا ہے :

---

[۱۲۴] زادالاعوان ص ۱۲۱ و ۱۲۲۔

منہم عبد اللہ بن عون بن قاسم بن حمزہ بن طیار وینتہی نسبہ الی علی بن ابیطالب امہ عائشہ من سادات الحسینی ولد فی البغداد سنۃ احدی و سبعین و اربع مائۃ من الہجرہ و کان من اصحاب الشیخ العبد القادر الجیلانی فسافر ہو وابیہ واخیہ محمد الی الہند و جہد بالہنود فی الشمالی و اسلم کثیر علی یدہ ویرجع ہو واخوہ الی البغداد و مات قدس سرہ لیلۃ الجمعۃ خلون من شہر رجب سنۃ ستۃ مائۃ میں الہجرہ فی ایام ناصر الدین اللہ خلیفۃ البغداد و دفن عند ابیہ "

وہ مشائخ جو ہمزمان شیخ جیلانی کے تھے۔ منجملہ ان سے عبداللہ بن عون بن قاسم بن حمزہ بن طیار تھے اور سلسلہ نسب اسکا علی بن ابیطالب کو پہنچتا ہے اور والدہ اسکی عائشہ تھی۔ سادات امام حسین کی اولاد سے پیدائش ہوئی بغداد میں ۴۷۱ھ اور تھے یاران و صحبت داران شیخ عبد القادر جیلانی کے سے پس سفر کیا اسنے اور باپ اوس کے لئے اور بھائی اوسکے محمد نے طرف ہند میں پہنچ جہاد کیا اوسنے ہنود کے بیچ کوہستان شمالی ہند کے اور اسلام لایا۔ اکثر لوگوں نے اوسکے ہاتھ پر اور واپس ہوا وہ اور باپ اوسکا اور بھائی اوسکا بغداد کی طرف اور بغداد میں وفات پائی اوسنے قدس سرہ شب جمعہ تاریخ رجب مہینہ میں اور ۶۰۰ھ تھی۔ اور وہ ایام حکومت ناصر الدین اللہ خلیفہ بغداد کے تھے۔"[125]

یہ پہلا موقع ہے کہ نور الدین عبید اللہ بن عباس کے بعد کسی کی تاریخ پیدائش و وفات کو میزان قطبی، میزان ہاشمی اور خلاصہ الانساب سے نقل کرنے کی بجائے ایک اور مجہول کتاب سے نقل کرتا ہے۔

- ظاہرا کہا جا سکتا ہے کہ اس کتاب کا سہارا لینے کی شاید یہ دو وجہیں ہوں: پہلی : عبد اللہ بن عون کی شخصیت کے وجود کو مذکورہ تین کتابوں کے علاوہ دیگر کتب سے ثابت کرنا ۔ دوسری: یہ غرض اصلی ہو کہ عبد اللہ بن عون اور عبد القادر جیلانی کے معاصر ہونے سے یہ بتانا چاہتا ہے کہ صرف مکتب تشیع ہی عون اور اس کے فرزندوں کے وجود کو تسلیم کرنے اور مشہور ہونے کا قائل ہی نہیں بلکہ یہ اشخاص تو بغداد کا مکتب تصوف بھی ان کے وجود کا قائل اور ان شخصیات سے آشنا تھا۔
- نیز اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ اعوانوں میں سے نسل محمد بن حنفیہؓ کے دعویداران اپنی تالیفات میں ذکر کرتے ہیں کہ عبداللہ قطب حیدر شاہ کا بیٹا تھا اور اس نے اپنے باپ کے ساتھ کفار کے مقابلے میں جنگ کی۔ اس کی وفات کے بعد لوگوں نے اسے وادی سون سکیسر میں دفن کیا نیز گورڑا کی وجہ تسمیہ یہی نور الدین والی ذکر ہوئی ہے۔[126] البتہ اس قول کا مستند لوگوں اس کا رائج ہونا یا محمد

[125] زاد الاعوان ص ۱۲۳/۱۲۴۔
[126] محبت حسین اعوان، تاریخ علوی اعوان ص ۴۰۵ تا ۴۰۷۔

سرور خان کی خطی تحریر ہے۔ پس اس کو دیکھتے ہوئے نورالدین نے عون اور اسکے بیٹے عبد اللہ کی نسبت وہی کچھ کہا ہے جو وہ کہتے ہیں صرف باپ کی نسبت، وفات اور مقام دفن میں اختلاف کیا ہے۔

ایسی شخصیت کے متعلق شیعہ رجال و تراجم یا احادیث کی کتب میں کسی قسم کا کوئی تذکرہ موجود نہیں۔ پس اس بنا پر صرف زاد الاعوان کی بات پر اعتماد کرتے اس بات کا قائل ہونا مشکل ہے کہ حضرت عباس کی نسل میں سے کوئی مذکورہ خصوصیات کا کوئی عبد اللہ بن عون گزرا ہے۔

محمد بن عون کندن قادری

نورالدین ص ۱۲۹ پر عون کے دوسرے فرزند محمد بن عون کے بارے میں میزان قطبی اور میزان ہاشمی سے نقل کرتا ہے :

کتاب میزان قطبی مطبوعہ بیروت اور کتاب میزان ہاشمی مطبوعہ مصر باب علوی میں آیا ہے۔ واما محمد بن عون العلوی اخوہ عبد اللہ وامہ عائشۃ وابن خالۃ عبد القادر الجیلی وھو المشہور بکندلان ویکون فی زمن السلف اسم ولقب وکنیۃ وتخلص فلقبہ بکندلان وھو راج بھذا الاسم انہ راج العبد القادر الجیلی وحرفہ الہندیون بکندین وفیہ دال المہملہ وکنڈان بدال الفارسی محرفہ لکثرۃ الاستعمال وکان ھو اولا فی اصحابنا ثم صار باغواء العبد القادر علی مذھبہ ویکون من توابعہ کابیہ واخیہ وسافر الی الھند مع الابیہ واخیہ ویرجع ویکون مشہورا بوجہ المذکور بکندلان وقیل سماہ الاتراک بھذا الاسم لانہ کان طویلا لقامۃ بوابا علی باب الشیخ الجیلی ولا یرخصہم بالدخول علیہ بغیر الاذن فسموہ بہ ومعنی ھذا یعنی ابن محمد خیمہ کلان بر در سیدہ استادہ ست وکندلان فی لسان الاتراک خیمہ کلاں را گویند۔

محمد بن عون علوی بھائی اوسکا عبد اللہ ہے اور والدہ اوسکی بی بی عائشہ ہے اور وہ پسر خالہ عبد القادر جیلانی کا تھا۔ اور وہ مشہور کندلان ہے۔ اور پہلے زمانہ میں نام و لقب و کنیت و تخلص ہوا کرتے تھے۔ پس لوگوں نے لقب اسکا کندلان رکھا اور وہ اس اسم کے ساتھ خوش ہوتا تھا۔ کیونکہ شیخ عبد القادر جیلانی بھی اس اسم سے شاد ہوتے تھے اور پھر اہل ہند نے اس کو تحریف کیا۔ ساتھ کندان کے اور اسمیں دال بے نقطہ و خالی ہے اور لفظ کنڈان دال فارسی سے پھر اسکی تحریف ہے کثرت استعمال کی وجہ سے اور تھا وہ اول ہمارے اصحابوں میں یعنی شیعہ میں۔ پھر ہدایت عبد القادر جیلانی سے اسکے مذہب پر ہو گیا۔ یعنی اہل سنت و جماعت میں۔ اور ہو گیا جیلانی کے اصحاب سے مثل والد و برادر کے سفر کیا اوس نے بغداد سے ہمراہ باپ و برادر کی ہند کی طرف اور پھر واپس چلا گیا اور ہوا مشہور وجہ مذکور سے ساتھ کندلان کے اور ایک قول میں کہا گیا۔ کہ کندلان اسکا نام اہل ترک نے رکھا ہے۔ کیونکہ تھا طویل القامہ اور دربان در دروازہ شیخ جیلانی کے اوپر۔ اور ترکوں کو بغیر اذن جیلانی کے رخصت داخل ہونے کی نہیں

دیتا تھا۔ اسلئے ترکوں نے محمد کا لقب کندلان رکھا۔ اور معنی اسکا یہ ہے کہ این محمد خیمہ کلان ہے اور زبان ترک میں کندلان خیمہ کلان کو کہتے ہیں۔[۱۲۷]

نیز اس کی تائید میں کتاب "الانساب اقوام عربی مطبوعہ ایران ص ۲۵ سے نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے: **الکندلانی نسبتہ الی کندلان ابن عون بن یعلی وکثیر من اولادہ بالھند و قلیل غیر ذلک۔ کندلانی کندلان سے منسوب ہے اور وہ ابن عون بن یعلی ہے اس کی ہند میں کثیر اولاد اور ہند کے علاوہ دوسری جگہوں میں کم ہے۔**

اس کی تاریخ ولادت و وفات کو " ایضاح العباد فی تاریخ مشائخ البغداد مطبوعہ اسلام بول" کے باب مشائخ جیلانی سے نقل کرتے ہوئے کہتا ہے: **منھم محمد بن العون بن قاسم بن حمزہ بن الطیار وینتھی نسبہ الی علی بن ابیطالب (رض)۔۔۔۔ولد فی البغداد سہتہ خمس و سبعین واربع مایۃ من الھجرۃ (۵۷۴ھ) وکان اصحاب الشیخ العبد القادر الجیلی (رض) واخوہ عبد اللہ فسافر الی الھند ھو وابوہ واخوہ اسلم کثیر علی یدہ ویرجع ومات قدس سرہ فی شعبان سہتہ ستتہ عشر وستہ مایۃ من الھجرہ (۶۱۶ھ)۔۔۔۔۔۔۔ودفن عند ابیہ وجدہ۔**

مشائخ کہ ہمزمان شیخ عبد القادر جیلانی کے تھے من جملہ ان کے محمد بن عون بن قاسم بن حمزہ بن طیار ہے اور سلسلہ نسب اوسکا علی بن ابیطالب کو پہنچتا ہے اور والدہ اوسکی بی بی عائشہ سادات اولاد امام حسین کے سے تھی۔ وہ متولد ہوا بغداد میں ۵۷۴ھ میں اور تھا وہ یاران شیخ عبد القادر جیلانی اور بھائی اسکا عبد اللہ تھا پس کیا اسنے اور اسکے باپ اور بھائی نے ہند کی طرف اور اکثر لوگ اسکے ہاتھ پر اسلام میں مشرف ہوئے۔ اور پھر واپس چلا گیا اور وفات پائی قدس سرہ نے ماہ شعبان ۶۱۶ھ میں اور وہ ایام خلیفہ بغداد ناصر الدین اللہ عباسی کے تھے۔ اور مدفون ہوا باپ دادا کے پاس۔[۱۲۸]

شیعی رجال و تراجم اور حدیثی کتب اس شخص کے متعلق کسی قسم کی کوئی معلومات مذکور نہیں ہیں اور نہ ہی اس کے متعلق اہل سنت کے قدیمی مصادر میں کسی قسم کا کوئی ذکر موجود ہے کہ جس سے ظاہر ہو کہ اس نام کے کسی شخص نے شیخ عبد القادر جیلانی کی دربانی کے فرائض سر انجام دئے حالانکہ اس کی کفار سے جنگ اور ہزاروں لوگوں کا اس کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنا ایک ایسا امر تھا جس کی بنا پر ماہرین علم رجال اور تراجم اس کا ذکر کر سکتے تھے۔ خاص طور پر جب ایک شخص شیخ عبد القادر جیلانی کے دربان کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دے رہا ہو اور ایسے شخص کی لوگوں میں شناخت اور پہچان کے تمام مواقع میسر ہوں

---

[۱۲۷] نور الدین، زاد الاعوان، ۱۲۹/۱۳۰

[۱۲۸] زاد الاعوان ص ۱۲۹ و ۱۳۰۔

کیونکہ شیخ عبد القادر صاحب کی زیارت کے ہر طلبگار کا خواہ نخواہ اس شخص سے سامنا لازمی اور یقینی ہوتا ہے۔ نیز اس شخص نے ۶۰ (۵۵۶-۶۱۶) سال کے قریب بغداد میں گزارے ہیں لیکن اس کے باوجود علمی مستندات اس کے متعلق معلومات فراہم کرنے سے قاصر ہیں۔

اسی مقام پر یعنی ص ۱۳۰ نورالدین پر نورالدین ایک اور عربی کتاب بنام انساب الاقوام ص: ۲۵ عربی مطبوعہ ایران سے نقل کرتا ہے کہ کندلانی کی نسل ہند میں کثیر اور دیگر ممالک میں ان کی تعداد کم موجود ہے۔

لیکن انساب الاقوام نام کی کتاب کے متعلق بھی کوئی معلومات دستیاب نہیں ہیں۔

نور الدین ان تمام کتابوں میزان ہاشمی، میزان قطبی، خلاصۃ الانساب، ایضاح العباد.....، الانساب اقوام جیسی مجہول الحال کتابوں کو مطبوعہ استنبول، مصر، بیروت اور ایران کہتا ہے۔ شاید اس طرح وہ پاکستان کے لوگوں کو یہ باور کروانا چاہتا ہے کہ آپ کی نسل و قوم دنیا میں غیر معروف نہیں بلکہ دیگر ممالک کی مطبوعات میں ان کا ذکر موجود ہے خاص طور پر شیعہ کتب ان کے تراجم سے مزین و آراستہ ہیں۔ (واللہ اعلم)۔

بقیہ اولاد عون

نور الدین ص ۱۳۲ تا آخر کتاب عون کی دیگر اولاد کا تذکرہ کرتا ہے لیکن اس تفاوت کے ساتھ کہ عون کے باقی فرزند والدہ کی طرف سے عربی النسل نہیں ہیں بلکہ وہ تمام والدہ کی طرف سے ہندی ہیں۔ ان بیٹوں کے نام: مزمل علی کلکان، دریتیم جہان شاہ، زمان علی کھوکھر اور رقیہ ہیں جن کی والدہ کا نام "زینب" تھا؛ نجف علی، محمد یحیٰ، فتح علی کلدان، محمد علی چوہان اور فاطمہ سے ہیں کن کی والدہ کا نام خدیجہ اور نادر علی، محمد عثمان، بہادر علی، محمد طلح، کرم علی شاہ، محمد رؤف اور ہاجر کی والدہ کا نام "ام کلثوم" ہے۔

اس حصے میں چند نکات قابل ذکر ہیں:

- اس حصے میں کتاب خلاصۃ الانساب ذکر نہیں ہے۔
- تمام مطالب میزان ہاشمی اور میزان قطبیکے حوالے ذکر کئے ہیں لیکن جو چیز اپنی طرف توجہ مبذول کرواتی ہے وہ یہ ہے کہ ان تمام فرزندوں کی تاریخ پیدائش و وفات ذکر نہیں ہوئی ہے۔
- قبل الذکر مجہول کتابوں کے علاوہ اس حصے میں بھی "تاریخ کوہستانی" تالیف محمد بن ابراہیم دامغانی اور انساب الاقوام مطبوعہ ایران وغیرہ سے استناد کیا ہے۔

- ص ۱۴۰ پر کتاب انساب الاقوام عربی فصل علوی ص ۲۶، سے نقل کرتا ہے کہ زمان علی کی نسل ہندوستان، ایران اور دیگر ممالک میں زندگی گزار رہی ہے۔

نتیجہ

مولوی نورالدین کی علمی حیثیت و مقبولیت سے قطع نظر کرتے ہوئے زادالاعوان کے عباس بن علی کی اولاد کے مذکور حالات کو اس وقت کے موجود شیعہ مصادر و مآخذوں کے ساتھ مقائسہ کرنے کے بعد یہ کہنا چاہئے کہ زادالاعوان نامی کتاب کو تنہا کسی کتاب کے ساتھ ملائے بغیر اسے ایسا مستند علمی قرار نہیں دیا جاسکتا کہ جس کے ذریعے کسی حدیث، نسب یا تاریخ جیسے علوم کے کسی عنوان کو ثابت کیا جاسکے کیونکہ:

۱. چودھویں صدی میں لکھی جانے والی زاد الاعوان کی بدولت پہلی صدی ہجری سے لے کر ساتویں صدی ہجری تک کی شخصیات کے وجود، اور تاریخ ورجال کو ثابت کرنا نہایت مشکل امر ہے۔

۲. اس کتاب کے نسب سے مربوط حصے میں مذکور مستندات میں اصیل اور قدیمی کتابوں سے استفادہ نہیں کیا گیا۔

۳. بحث نسب کے مستندات کو مجہول الحال کتابوں اور مجہول الحال مصنفین سے مرتب کیا گیا ہے۔

۴. عبیداللہ تا عون کی نسب کی بحث میں افراد کی تاریخ پیدائش ووفات کی نقل میں حد سے زیادہ یکسانیت کتاب کی ارزش میں کمی کا باعث بنتی ہے۔ اسی طرح مزمل سے لے کر کرم علی شاہ تک مسلسل تاریخ پیدائش ووفات کا ذکر نہ ہونا اسے واقعیت سے دور کرنے کا سبب بنتا ہے۔

۵. زاد الاعوان میں عبیداللہ سے لے کر عون تک کے صرف اسما کی حد تک مذکور ہونے کے علاوہ حتا کہ کسی شخص کی والدہ یا بیوی کا نام صفات، سن وفات مقبرہ وغیرہ پیدا نہیں ہوا جس کی تائید شیعہ مصادر و مآخذوں سے ہوئی ہو بلکہ اس کے برعکس مطالب مختلف کتابوں میں دیکھنے کو ملے ہیں۔ پس اس بنا پر یہ کہنا کوئی بعید نہیں ہے کہ نسب سے مربوط حصے میں جو زاد الاعوان میں مذکور ہے وہ نسب، رجال، تراجم اور احادیث کی کتب میں مذکور نہیں جو ان میں مذکور ہے وہ زاد الاعوان میں مذکور نہیں ہے۔

۶. بعض مقامات پر بعض شخصیات مثلاطیار علوی و علی بن جعفر کے جعل کرنے کے احتمال کی تقویت ہوتی ہے۔

۷. ایساظاہر ہوتا ہے کہ بعض شخصیات کے وجود کے اثبات کیلئے بعض کتب کے نام جعل کئے گئے ہیں۔

۸. قرائن اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ بعض جگہوں پر شیعہ کتب میں موجود احادیث وروایات میں دخل و تصرف سے کام لیا گیا ہے۔

نیز دیگر بعض ایسے خارجی امور ہیں کہ جو نورالدین کی زاد الاعوان کے غیر معتبر علمی مستند ہونے کی مزید تقویت کرتے ہیں جیسے:

- زاد الاعوان کے مطابق عون و عبداللہ اور محمد کا بغداد میں لوٹنا،اس زمانے سے لیکر آج تک کی دہائیوں میں مذکور تاریخی گذارشوں سے اس کے ذکر سے خالی ہونا قضیے کو مزید مشکوک بناتا ہے خاص طور پر عون کا دوسرا بیٹا سال ۶۱۶ھ تک بغداد میں رہا لیکن اس ذکر سے موجود اور قدیم تاریخی کتب خالی ہیں۔
- عون کے بیٹے زمان علی کی نسل کا ایران میں موجود ہونے کا آج تک کسی نے ذکر نہیں کیا۔ یہ ایک دروغ محض ہے۔
- اسی طرح محمد کندلانی کی نسل کا کوئی فرد یا افراد ہند کے علاوہ کہیں نہیں پیدا ہوا اور نہ ہی کسی سے محمد کندلانی کی نسل سے ہونے کا دعوا سنا گیا ہے۔

ممکن ہے کوئی کہے کہ ان قرائن میں سے ہر ایک قرینہ تنہازادالاعوان کے نسبی ادعا کے رد کیلئے کافی نہیں ہے۔ لیکن جب زاد الاعوان کے داخلی مندرجات کو خارجی قرائن کے ساتھ ملا کر دیکھیں تو اس میں کسی شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ نسب جیسے حساس اور اہم موضوع کے اثبات کیلئے ایسی کتاب کو کسی صورت میں میزان و معیار قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔